ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

۱۱
ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ —— نومبر ۲۰۱۱ء

گوشۂ خاص

ابن امیر شریعت
سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

شہید سیّد محمد ذوالکفل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

معمر قذافی

مردِ آہن کے اقتدار کا خاتمہ

غازی ممتاز حسین قادری کو عدالتی سزائے موت

قادیانیوں کی تازہ جارحیت

یومِ فتحِ قادیان۔ پس منظر، پیش منظر

قربانی —— امنِ عامہ اور معاشی امن و سلامتی کا سبب

عیدالاضحیٰ کے موقع پر

قربانی کی کھالیں

مجلسِ احرارِ اسلام

کے شعبہ تبلیغ

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ

کو دیجیے

جملہ رقوم، عطیات، زکوٰۃ وعشر، صدقات
قیمت چرم قربانی بھیجنے کے لیے

چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری (مدرسہ معمورہ)
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان

مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان	061 - 4511961 0300-6326621
مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار چناب نگر	047 - 6211523 0345-7594257
مدرسہ معمورہ دفتر احرار لاہور	042 - 5865465 0300-4240910
مولوی محمد طیب مدنی مسجد چنیوٹ	0321-7708157
دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی	040 - 5482253
عبدالرحمٰن جامی جلال پور پیروالا	0301-7576369
مدرسہ معمورہ، میراں پور (میلسی)	0308-7944357
مدرسہ ختم نبوت گڑھا موڑ (میلسی)	0300-7723991
مدرسہ ابوبکر صدیق، تلہ گنگ	0300-5780390
ڈاکٹر عبدالرؤف ڈاکٹر ریاض احمد جتوئی (مظفرگڑھ)	0301-7465899 0301-5641397
رانا محمد نعیم (حاصل پور)	0334-7102404
مدرسہ ختم نبوت، بورے والا (وہاڑی)	0300- 6993318
مدرسہ محمودیہ معمورہ، ناگڑیاں (گجرات)	0301-6221750
محمد اشرف علی احرار، فیصل آباد	0300- 7623619
محمد اصغر لغاری، میر ہزار خان (مظفرگڑھ)	0333-6911112
عبدالکریم قمر (کمالیہ)	0333-6377304
مولانا فقیر اللہ رحمانی، رحیم یار خان	0301- 3660168
مولانا عبدالعزیز، مدنی مسجد بہاولپور	0333-6397740
شفیع الرحمٰن احرار (کراچی)	0314-2027529

الداعی الی الخیر

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 22 شمارہ 11 | ذوالحجہ 1432ھ — نومبر 2011ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

فہرست

دل کی بات:	معمر قذافی ..... مرد آہن کے اقتدار کا خاتمہ	مدیر	2
شذرات:	غازی ممتاز حسین قادری کو عدالتی سزائے موت	عبداللطیف خالد چیمہ	3
	قادیانیوں کی تازہ جارحیت		
	یومِ فتح قادیان ..... پس منظر، پیش منظر		
دین و دانش:	قربانی امن عامہ	سید عطاء المحسن بخاری	7
	اور معاشی امن و سلامتی کے قیام کا سبب		
//	بدر بعثت، قمر منیر صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر حمزہ نعیم	15
//	آیت استخلاف اور خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ (قسط:۴)	پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی	18
//	شہید مدینہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	سید ابو معاویہ ابوذر بخاری	25
//	نظم عثمانی	شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ	26
گوشۂ خاص:	سید عطاء المحسن بخاری ..... اک ضرب ید اللّٰہی	پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی	28
//	خطیب بنی ہاشم، سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ	ملک منیر عباس ونیس	41
//	سید محمد ذوالکفل شہیدؒ	بنت بستان عائشہ	45
آپ بیتی:	ورق ورق زندگی (قسط:۶)	پروفیسر خالد شبیر احمد	49
مطالعہ:	قادیانیوں کے حج کے مقاصد	عبدالرحمن یعقوب باوا	56
قادیانیت:	قادیانی جماعت بیرون ملک	مولانا سہیل باوا	58
	پاکستان کا تشخص بگاڑنے میں مصروف ہے		
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں	ادارہ	60
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	63

www.ahrar.org.pk
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریک تحفظ ختم نبوت کی ترجمان مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan (Pakistan)

فیضانِ نظر
حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی
حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم (امیر مرکزیہ، مجلس احرار اسلام پاکستان)

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رفقائے کار
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس
سید صبیح الحسن ہمدانی
sabeeh.hamdani@gmail.com
سید عطاء المنان بخاری
atabukhari@gmail.com

ترئین
محمد نعمان سنجرانی
nomansanjrani@gmail.com

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد 0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک	200/- روپے
بیرون ملک	1500/- روپے
فی شمارہ	20/- روپے

رابطہ: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

دل کی بات مدیر

معمر قذافی......مردِ آہن کے اقتدار کا خاتمہ

لیبیا کے مردِ آہن کرنل معمر قذافی دردناک انجام سے دوچار ہوئے اور مسلم حکمرانوں کے لیے عبرت کی ایک خوف ناک مثال بن کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ معمر قذافی نے یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کو شاہ ادریس کی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کیا تو لیبیا کے عوام اِس انقلاب پر جشن منا رہے تھے۔ تب قذافی ۲۷ سالہ جوانِ رعنا تھا۔ ۲۰ر اکتوبر ۲۰۱۱ء کو جب اُن کے ۴۲ سالہ اقتدار کا خاتمہ کر کے، اُن کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کر کے اور اُن کی لاش کو سڑک پر گھسیٹا گیا تو عوام پھر جشن منا رہے تھے۔ اب ان کی عمر ۶۹ برس تھی۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے سچ فرمایا تھا کہ: ''میں نے رائے عامہ سے زیادہ ناپائیدار چیز کوئی نہیں دیکھی۔''

معمر قذافی، عالمی طاغوت امریکی مداخلت کا تازہ ترین شکار بنے ہیں۔ امریکہ و فرانس نے قذافی کے باغیوں کو جدید ترین مہلک ہتھیار فراہم کیے اور اسلحے کے انبار لگا دیے۔ ایک خود مختار ملک میں جارحانہ مداخلت کی یہ بدترین مثال ہے۔

قذافی کا انجام یقیناً افسوس ناک ہے اور بحیثیت مسلمان ہمیں اس کا شدید دُکھ اور صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ عراق، تیونس اور مصر کے بعد اب لیبیا کو عالمی طاغوت نے جس طرح نشانہ بنایا ہے اگر اسباب پر غور کر لیں تو جواب مل جائے گا۔ اور اگر ''تو ہی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں'' شام میں بھی کام تیار ہے۔ اور پاکستان؟ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے (آمین)

قرآن کریم ہمارے زوال کے اسباب بیان کرتا ہے:

☆خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے، لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔ (سورۃ الروم: ۴۱)

☆اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اُس کا، جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے۔ (سورۃ شوریٰ: ۳۰)

معمر قذافی اور ذوالفقار علی بھٹو میں کئی مماثلتیں تھیں۔ بھٹو اقتدار میں آئے تو عوام کا سیلاب اُن کے ساتھ تھا۔ اُنہیں پھانسی ہوئی تو ملک میں سناٹا تھا۔ بھٹو نے نعرہ لگایا: ''اسلام ہمارا دین، جمہوریت ہماری سیاست اور سوشلزم ہماری معیشت ہے'' جب کہ یہ تینوں باتیں آپس میں متصادم ہیں۔ قذافی نے بھی اسلام، سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی مرکب ''سبز کتاب'' قوم کے سامنے پیش کی۔ وہ ۱۹۷۴ء کی اسلامی سربراہ کانفرنس میں جس جوش و جذبے سے شریک ہوئے اس سے انہیں بہت شہرت ملی۔ وہ عرب کے بھٹو کہلانے لگے۔ وہ خود کو عرب دنیا کا سب سے بڑا لیڈر سمجھتے تھے۔

اے کاش! وہ اپنے ۴۲ سالہ اقتدار میں اسلام کے نفاذ کے لیے بھی کچھ کرتے، انہوں نے عوام کے لیے جو کچھ کیا وہ ان کے کسی کام نہ آیا۔ وہ اللہ کے لیے کچھ کرتے تو آخرت میں سب کچھ کام آ جاتا۔ وہ اپنے دوست ذوالفقار علی بھٹو، صدام حسین اور حسنی مبارک کے انجام سے کوئی سبق حاصل کر لیتے۔ فیا حسرتی!

امریکہ، افغانستان سے جا تو رہا ہے لیکن مسلمانوں کا بڑا نقصان کر کے جائے گا۔ آئندہ کس کی باری ہے؟ یہ بھی وہ طے کر چکا ہے۔ قذافی کی موت تمام مسلم حکمرانوں کے لیے سبق آموز بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔ اقتدار اللہ کی نعمت بھی ہے اور آزمائش بھی۔ اللہ نے اختیار دیا ہے تو اللہ کے دین کو نافذ کر دو۔ اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا ورنہ وہ اسی طرح عبرت کا نشان بنا تا رہے گا۔

غازی ممتاز حسین قادری کو عدالتی سزائے موت

عبداللطیف خالد چیمہ *

''آسیہ مسیح'' نامی خاتون کی طرف سے توہین رسالت پر ایڈیشنل سیشن جج نے موت کی سزا سنائی تو گورنر پنجاب نہ صرف سزا کے خلاف بلکہ قانون توہینِ رسالت کے خلاف پوری طرح صف آراء ہو گئے اور اس قانون کو کالا قانون کہہ کر اپنی سرکاری حیثیت میں یہ اعلان کرنے لگے کہ وہ صدر سے اس سزا کو معاف کروالیں گے۔ دینی جماعتوں اور عوام کے شدید ردِ عمل کے بعد بھی وہ بضد رہے کہ میں جو کچھ کہہ اور کر رہا ہوں یہی صحیح ہے۔ تا آنکہ ۴/ جنوری ۲۰۱۱ء کو اُن کے اپنے سرکاری محافظ نے سرکاری اسلحے سے اُن کا کام تمام کر دیا اور اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا کہ گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے ''توہینِ رسالت'' کی ہے اور اس وجہ سے میں نے اُن کو قتل کر دیا۔ غازیوں اور مجاہدوں کی طرح وہ ثابت قدم رہے اور عدالتی و قانونی پراسیس میں انہوں نے اپنے بیان میں کوئی جھول نہیں آنے دیا۔ تا آنکہ انسدادِ دہشت گردی کی راولپنڈی عدالت نے ہفتہ یکم اکتوبر ۲۰۱۱ء کو ان کو دوبار سزائے موت اور ۲، لاکھ روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ یہ سزا سنتے ہی انہوں نے عدالت میں پورے حوصلے اور وقار کے ساتھ ''الحمد للہ رب العالمین'' کہا اور کمال صبر و شکر کے ساتھ اپنے وکیل سے کہا کہ آپ آج مٹھائی کیوں نہیں لائے! میں تو اس دن کی انتظار میں تھا، اُن کو سنائی جانے والی سزا کے خلاف ملک بھر میں شدید ردِ عمل ہوا اور دینی قوتوں اور عوام نے اس فیصلے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا۔ ملک کے چوٹی کے قانون دانوں اور بعض سابق ججوں نے بھی اس فیصلے کو آئینی و قانونی اعتبار سے مسترد کر دیا، انسدادِ دہشت گردی کے اِس فیصلے کو ۱۱/ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو اسلام آباد ہائی کورٹ نے اپیل کی باضابطہ سماعت تک معطل رکھنے کا اعلان کیا جسے ملک بھر میں سراہا گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قانون توہین رسالت کے خلاف امریکی و عالمی دباؤ اپنی جگہ پر موجود ہے، امریکی میڈیا اور سرکاری حکام اس حوالے سے صدر زرداری کے کردار کی تحسین کر چکا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت و ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے کمزور سے کمزور مسلمان بھی اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے، اِن سطور کے ذریعے ہم کہنا چاہیں گے کہ غازی ممتاز حسین قادری کا مبارک کردار پوری امت کے ماتھے کا جھومر ہے، وہ زندہ رہ کر بھی شہید ہے اور شہید ہو کر بھی زندہ......

حکمران، امریکہ اور عالمِ کفر کے ایجنڈے کے ماتحت اپنی دنیا و عاقبت خراب نہ کریں اور غازی ممتاز قادری کو باعزت طور پر رہا کر کے روزِ قیامت شفاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش لیے دنیا سے رخصت ہوں کہ اِسی میں ہم سب کی نجات مضمر ہے۔

*سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان

قادیانیوں کی تازہ جارحیت:

قادیان سے شروع ہونے والی مرزائیوں کی دہشت گردی اور جارحیت کی تاریخ تو پرانی ہے لیکن تازہ ترین دہشت گردی کا ایک اندوہناک واقعہ ۲۰؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء جمعرات کو ضلع گجرات کے قصبے ”گولیکی“ (تھانہ کنجاہ) میں پیش آیا جہاں قادیانیوں نے مسلح ہو کر تحریکِ ختمِ نبوت کے ایک متحرک کارکن چودھری ماسٹر سرفراز احمد سندھو کو اُس وقت قتل کر دیا جب وہ صبح اسکول کے چوکیدار محمد آصف کے ہمراہ موٹر سائیکل پر ڈیوٹی پر جا رہے تھے کہ سکول سے چند قدم پہلے کار سوار قادیانی دہشت گردوں نے اندھا دھند فائرنگ کی جس سے ماسٹر سرفراز احمد موقع پر شہید ہو گئے جبکہ چوکیدار محمد آصف اگلے روز دم توڑ گئے۔ ایف آئی آر میں ۷، معلوم اور ۳، نامعلوم افراد کو نامزد کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے مابین مقدمہ اور جھگڑا طویل عرصہ قبل اُس وقت شروع ہُوا تھا جب قادیانیوں نے ایک مسجد پر قبضہ کر لیا تھا اور ۱۹۹۵ء میں دائر ہونے والے ایک مقدمے میں ۲۰۰۵ء میں سیشن جج گجرات نے ۵، افراد کے علاوہ باقی ماندہ افراد کو باعزت طور پر بری کر دیا تھا اور قتل ہونے والے ماسٹر سرفراز احمد بھی بری ہونے والے افراد میں شامل تھے اور وہ سزا ہونے والے مسلمانوں کے مقدمے کی پیروی بھی کر رہے تھے۔ قادیانیوں کو اِس کا رنج تھا، یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سیشن کورٹ نے جن باقی ماندہ افراد کو سزائے موت اور عمر قید کا حکم سنایا تھا لاہور ہائی کورٹ نے ۱۳؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء جمعرات کو ان سب کو بری کرنے کا مختصر فیصلہ سنایا تھا اور وقوعہ کے روز (۲۰؍ اکتوبر) ان کی رہائی متوقع تھی جس کی علاقہ بھر میں تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قادیانیوں نے اپنی دہشت گردی اور قتل وغارت گری کا دو مسلمانوں کو نشانہ بنایا ہے اور گزشتہ چند ماہ میں مسلمانوں کا یہ تیسرا قتل ہے۔ متعلقہ تھانہ میں درج ایف آئی آر کی روشنی میں علاقے کے ذمہ دار مسلمان اور شہداء کے لواحقین مقدمے کی پیروی کر رہے ہیں۔ یہ سوال اپنی جگہ بڑا اہم ہے کہ عدالتی اور قانونی پیروی کرنے والے مسلمان کو راستے سے ہٹانے کا مقصد کیا ہے؟ کیا اس طرح قادیانی اپنے عزائم میں کامیاب ہو سکیں گے؟ تمام دینی حلقوں اور علاقے کے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ قادیانیوں کی جارحیت اور قتل وغارت گری کا سدّ باب نہ ہونے سے ان کے حوصلے بڑھ گئے ہیں اور اگر حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اپنی غیر جانبداری کو یقینی نہ بنایا تو کشیدگی اپنی حدود کراس کر جائے گی اور اس کی ذمہ داری قادیانیوں اور سرکاری انتظامیہ پر عائد ہو گی۔ اربابِ اختیار کے لیے ضروری ہے کہ وہ قاتلوں کی طرف داری ختم کرے اور قادیانی قاتلوں کو قانون کے مطابق سزا دی جائے۔

یومِ فتح قادیان ...... پس منظر، پیش منظر:

برٹش ایمپائر نے مسلمانوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنے اور فرقہ واریت کو بڑھانے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں فتنۂ اِرتدادِ مرزائیہ کو کھڑا کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیلمہ کذاب کی جانشینی کا حق ادا کیا اور قادیانی جماعت نے اپنے آقاؤں کی فرماں برداری میں تنسیخ جہاد کے لیے پورا زور لگا دیا، بہت سے مؤثر سرکاری اداروں میں قادیانیوں نے رسوخ حاصل کر لیا اور بعض سرکاری محکموں میں قادیانی سفارش سے بھرتی ہونے لگے، سلطنت برطانیہ کے خلاف آزادی کی ہر آواز کو دبانے کے لیے قادیانی مُخبر حقِ نمک ادا کرنے لگے۔ قادیانی تحریک کا ہر فرد برطانوی سامراج کے مفادات کا محافظ اور وفادار بن کر رہ گیا۔ تمام مکاتب فکر علمی سطح پر

تعاقب میں مصروف ہو گئے ۱۹۱۶ء حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے کنھیا لال کے منڈوے (سینما ہال) امرتسر میں مرزا بشیر الدین محمود کوٹوکا کہ تم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف کر کے مرضی کی تشریح کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کو سچا قرار نہ دو۔ بھرے ہال میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا حضرت امیر شریعت نے مرزا بشیر الدین محمود کو للکارا کہ حدیث شریف میں تحریف نہیں کرنے دونگا چنانچہ پہلے عوامی معرکے میں مرزا بشیر الدین اسٹیج چھوڑ کر بھاگ نکلا شاہ جی نے حدیث شریف کی روشنی میں حاضرین سے خطاب کیا یہی جدوجہد سامراج دشمنی اور قادیانیت کے تعاقب کی راہیں متعین کرنے لگی اور مجلس احرارِ اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ احرار، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ کی آرزو کا نتیجہ تھی تو حضرت مفتی کفایت اللہ، چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا داؤ دغزنوی رحمتہ اللہ علیہم کی مشاورت و تائید سے احرار کا پلیٹ فارم سامنے آیا جو بہت سے نشیب وفراز، دشمن کی چیرہ دستیوں اور اپنوں کی بے وفائیوں کے باوجود آج بھی الحمد اللہ قافلۂ سخت جاں کے طور پر پھر منظّم ہو رہا ہے مرزا غلام نبی جانباز رحمتہ اللہ علیہ ''حیات امیر شریعت'' میں لکھتے ہیں کہ ''۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی سامراج نے جن تحریکات کو از خود جنم دے کر پروان چڑھایا، مرزائیت اسی پودے کا اہم بیج تھا احرار رہنماؤں کے تدّبر نے اس سے چشم پوشی کو ہندوستان سے غداری اور اسلام کے بنیادی عقیدۂ ختمِ نبوت سے انحراف سمجھ کر قادیان کے نظامِ حکومت میں دراڑ ڈالنا ضروری خیال کیا چنانچہ ۲۱،۲۲،۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو قادیان میں حضرت امیر شریعت کی صدارت میں تبلیغی کانفرنس کرنے کا اعلان کیا، اس فیصلے سے مرزائی اور حکومت اپنی اپنی جگہ سوچ میں پڑ گئے پنجاب میں خصوصاً احرار رضا کاروں نے کانفرنس میں شمولیت کی تیاریاں شروع کر دیں، اِس کانفرنس جس نے پوری دنیا میں قادیانیت کے دجل وفریب کو بے نقاب کیا اِس سے پہلے ایک طویل عرصہ کس طرح سوچ و بچار کر کے اِس کو پلان کیا گیا اور کتنے حضرات کو قربانی دینا پڑی اس کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے حضرت امیر شریعت نے ۲۱/۱ اکتوبر کو رات دس بجے سے سحر تک شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی صدارت میں جو تقریر کی اس نے پوری دنیا پر واضح کر دیا کہ قادیانیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ شاہ جی کی تقریر پر مقدمہ ہوا اور سزا بھی لیکن مسٹر جی۔ ڈی۔ کھوسلہ سیشن جج گورداسپور نے فریقین کے وکلاء کی بحث کے بعد جو فیصلہ دیا اِس کو تحریکِ ختم نبوت کی تاریخ میں ممتاز حیثیت حاصل ہے اور اس فیصلے نے خود ''فیصلہ'' کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء کی اِس بنیادی، کلیدی اور تاریخی احرار تبلیغ کانفرنس نے تحریک ختمِ نبوت کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا سید حسین احمد مدنی، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمتہ اللہ علیہم اور ان کے پیروکار اِس تحریک کی پشت پر کھڑے تھے، مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ، مولانا ظفر علی خان رحمتہ اللہ علیہ اور یونیورسٹائز طبقہ بھی قادیانیوں کو دین وملت کا غدار قرار دینے لگا تھا لیکن دنیا پر قادیانیت کا کفر واِرتداد واضح کرنے کے لیے مجلس احرار اسلام نے قادیان میں شعبۂ تبلیغ تحفظ ختمِ نبوت قائم کیا اور پورے ہندوستان میں اس کے ذیلی دفاتر قائم کیے، قادیان میں کفر واِرتداد کا تسلط اور غرور توڑ کے رکھ دیا۔ فاتح قادیان، مولانا عنایت اللہ چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا محمد حیات رحمتہ اللہ علیہ دیگر رہنماؤں کی قیادت میں احرار کارکنوں نے جفاکشی اور سرفروشی کی ایک نئی تاریخ رقم کی، جھوٹی نبوت کے سامنے شہداء ختمِ نبوت کے مقدس خون کی دیواریں کھڑی کر دیں تب دنیا کو یقین ہو گیا کہ امت مسلمہ سے جذبۂ جہاد نکالنے کے لیے برٹش ایمپائر کامیاب نہیں ہو سکتا اور جھوٹی نبوت اسلام کے نام پر نہیں چل

سکتی، آج پاکستان سمیت دنیا بھر میں تحریکِ ختم نبوت کی کامیابیاں اور پھیلتا ہوا کام اِنہی اکابر احرار اور مجلس احرار اسلام کی بنیادی وکلیدی جانکاہ محنت کا ثمر اور صدقہ جاریہ ہے۔ یہ بات تاریخ کے ریکارڈ کا حصہ بن چکی ہے کہ مجلس احرارِ اسلام تحفظ ختم نبوت اور حضرت امیر شریعت ایک ہی کام کے مختلف نام ہیں۔ احرار کو حذف کر کے برصغیر میں تحریکِ آزادی کا تصور اور تحریکِ ختم نبوت کا تذکرہ کسی صورت مکمل نہیں ہوسکتا،۱۹۳۴ء کے بعد پاکستان کے ربوہ میں بھی حکومتی پابندیوں کے باوجود ۱۹۷۶ء میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مجلس احرارِ اسلام اور فرزندانِ امیر شریعت کو اِس توفیق واعزاز سے نوازا، چنانچہ ۲۷رفروری ۱۹۷۶ء کو پیپلز پارٹی کی حکومت نے انگریزی استبداد کی یاد تازہ کردی اور ربوہ میں ریاستی قوت کے بے پناہ استعمال اور فسطائی ہتھکنڈوں کے باوجود بخاری کے روحانی فرزند اور مجاہدین ختم نبوت پوری شان وشوکت کے ساتھ ربوہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ قادیان کی طرح ربوہ میں قادیانیوں کے غرور وخوف کو توڑا گیا، بطلِ حریت مولانا غلام غوث ہزاروی، سید ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہم نے ربوہ کی تاریخ میں پہلی بار خطاب کیا قائد احرار جانشین امیر شریعت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن بخاری کو ۲۷رفروری ۱۹۷۶ء کو ربوہ سے گرفتار کرلیا گیا آج قافلۂ احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کی امارت اور غیرت مند قیادت میں اپنی منزل کی طرف آگے بڑھ رہا ہے اور نامساعد حالات کے باوجود ہم الحمدللہ کئی قدم آگے بڑھے ہیں۔ یہ قافلہ اِن شاءاللہ تعالیٰ رک نہیں سکتا تحریک ختم نبوت کی تازہ صورتحال اور قادیانی ریشہ دوانیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ایوانِ صدر اور ایوانِ اقتدار کے اِردگرد قادیانی اثر ونفوذ بڑھ رہا ہے۔ چناب نگر (ربوہ) میں مسلم اداروں اور مسلم شخصیات کا گھیرا تنگ کیا جارہا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ قادیانی تسلط سے آزاد ہونے والے نومسلم افراد کی بات غور سے سننے اور اپنے روایتی انداز کے کام میں تبدیلی کی ضرورت پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے، چنیوٹ ضلع بنا تو چناب نگر کو سب تحصیل کا درجہ حاصل تھا اور اصولاً اور قانوناً ضروری تھا کہ چناب نگر کو تحصیل کا درجہ دیا جائے لیکن ہوا یہ کہ ''لالیاں'' کو تحصیل کا درجہ دے کر قادیانی نوکر شاہی کی سازش کو آگے بڑھانے میں مدد دی گئی۔ ناجائز قبضوں اور سرکاری حکام سے ملی بھگت کے ذریعے ربوہ کو خالص اسرائیل کی طرز پر ''ری ڈیزائن'' کیا جارہا ہے۔ سکیورٹی کے نام پرناکے لگا کر شہر سراسر جعلی وفرضی سکیورٹی ایجنسیوں کے سپرد کردیا گیا ہے۔ ضلعی حکام مسلسل ٹال مٹول سے کام لے کر قادیانی تسلط کو مضبوط کررہے ہیں۔ تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والوں کو تحفظ فراہم نہیں کیا جارہا۔ اسلام آباد، خوشاب اور چشمہ (کندیاں) سمیت ایٹمی توانائی کے حوالے سے حساس مقامات کے قریب وسیع اراضی قادیانی خرید کرچکے ہیں۔ چودھری احمد یوسف کو گزشتہ دنوں چناب نگر میں قادیانیوں نے قتل کیا کہ وہ ''اندر کی باتیں'' باہر نشر کرتے تھے۔ قادیانیوں کی مرضی کی ایف آئی آر درج ہونے دی گئی، مقتول قادیانی احمد یوسف کی بیٹی چیخ رہی ہے اور کوئی سننے والا نہیں۔ ابھی گجرات سے ایک ساتھی نے اطلاع دی ہے کہ آج (۲۰راکتوبر) قادیانیوں نے مسلح ہوکر (گولے کی، ضلع گجرات) میں سکول ٹیچر ماسٹر سرفراز احمد کو شہید کردیا ہے۔ مرحوم مسلم قادیانی تنازعے میں فریق تھے اور چندروز پیشتر عدالت سے بری ہونے والے ساتھیوں کے مقدمے کی پیروی کررہے تھے جبکہ اِن کو کئی سال پہلے سیشن کورٹ نے بری کردیا تھا اِس قسم کے مسائل ومعاملات اور مشکلات سے نمٹنے کے لیے کس قسم کے طریق کار اور صف بندی کی ضرورت ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں میری ناقص رائے میں اس محاذ کے رہنماؤں اور ہم کارکنوں کو اب ضرور غور وفکر کرلینا چاہیے کہ وقت بڑی تیزی سے گزرتا جارہا ہے۔

ابن امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قربانی

امن عامہ اور معاشی امن وسلامتی کے قیام کا سبب

اسلام امن وسلامتی کا ہی نام ہے اسلام کے ہر عمل سے سلامتی پیدا ہوتی اور امن پھیلتا ہے ہر باشعور آدمی غور وفکر کی نعمت سے اس حقیقت کو پاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل انسانوں کے اعمال جس برائی، خباثت اور شیطنت سے آشنا ہو چکے تھے اسلام نے انہی اعمال کو اسوۂ حسنہ میں پابند کر کے محبت، آدمیت، امن، سلامتی اور عافیت پیدا کر دی۔ غور فرمایئے قبائل کے سرداراوران کے ساتھی کھانا کھا رہے ہیں ہمہ قسم نعمت ان کے سامنے چن دی گئی ہے مگر کیا مجال کہ غلام اس کی طرف دیکھ بھی جائے۔ روساء وبزرجمہر کھا پی کے فارغ ہوں گے۔ تو بچا کھچا ان کے منہ میں بھی پہنچ جائے گا جو غلام ہونے کا طعنہ سینے پر سجائے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے آکر مکارم اخلاق پیدا کئے۔ اسی معاشرے میں غلام کو آقا کے برابر اور فقیر کو امیر جیسا کر دیا۔ من وتو کی تمیز ختم کر دی۔ معاشرے میں حسن پیدا کیا۔ جو نہ کلیوں میں نہ غنچوں میں، نہ پھولوں میں نہ بہاروں میں ہے۔ دنیا کے کسی نظام میں بھی یہ حسن وخوبی، یہ برابری وبرادری نہیں ہے۔ دنیائے فکر میں انقلاب بپا کیجئے اور چودہ سو برس کی الٹی زقند لگایئے۔ چشمِ خرد کھولئے اور ملاحظہ کیجئے کہ مولائے کائنات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ لکڑی کے ایک پیالے میں لقمے لگا لگا کر کھا رہے ہیں۔ غلام آقا کے روبرو ہے نظر وتوجہ کی نعمتوں سے بھی مالا مال ہو رہا ہے اور معاش ومعاد کے لیے بھی سنوار رہا ہے۔ جی ہاں یہ وہی بلال ہے جسے کفارِ مکہ کا جمہوری نظام اور جمہوری گماشتے اپنے برابر دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور اسے غلام ہی مارنا چاہتے تھے، اسی طرح قربانی کا عمل بھی معاشرے میں امن وسلامتی اور بلندی پیدا کرتا ہے۔

قربانی تو زمانہء جاہلیت میں بھی امن وسلامتی اور سفر کے خطرات سے بچاتی تھی۔ عرب کا معمول تھا کوئی شخص اگر حج کے لئے آمادہ سفر ہے تو اسے اپنے قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹے ڈال کر ساتھ رکھنا پڑتا۔ اور یہ قربانی کا پٹہ ہی راستے کے خطرات ومشکلات کے بچنے کی علامت ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ ایسا مسافر اپنے ساز وسامان سمیت منزل مراد پر پہنچ جاتا۔ حج کرتا، قربانی دیتا اور رضاء الٰہی کی نعمتیں سمیٹتا واپس لوٹ جاتا۔ قربانی کے اس جانور کو ہُدی کہا جاتا ہے۔ ویسے عربوں میں یہ دستور تھا کہ دین ابراہیمی کے مطابق وہ چار مہینوں کا بہت احترام کرتے یعنی رجب، ذی قعد، ذی الحج، اور محرم...... یہ مہینے پرامن اور عافیت وسلامتی کے مہینے تھے قرآن کریم نے بھی ان مہینوں کے باعزت وباوقار ہونے کا ذکر فرمایا ہے مِنھا اربعۃٌ حُرم ان میں سے چار بہت معزز ہیں۔

انہی چار ماہ کے اعزاز واکرام میں عرب اپنی جاہلیت کی عادتیں، لڑائی جھگڑے ختم کر دیتے تھے۔ ذی الحجہ کا مہینہ بھی انہی مکرم ومحترم مہینوں کا حصہ ہے۔ جس میں قربانی، حج اور عبادات اس کا جزو لاینفک ہے۔ اس لئے بھی یہ امن وامان اور عافیت وسلامتی کا پیغام سرمدی ہے۔ امن عامہ کی نوید الٰہی ہے۔ مگر ہمارے معاشرہ میں چونکہ اسلام کو ثانوی حیثیت دیدی گئی ہے اور جمہوریت کو پہلی پوزیشن اس لئے موجودہ معاشرے پر پھٹکار پڑ رہی ہے۔ عرب جہلا تو پٹے والے قربانی کے جانوروں کی لوٹ مار نہیں کرتے تھے۔ ''یہ جمہوریت زادے'' اور ''روشن خیال'' تو وہ بھی نہیں چھوڑتے۔ اس عمل خبیث میں یہ اُن سے بھی آگے نکل گئے۔ لوگوں نے مہندی،

جھانجر، زنجیر اور پٹے قربانی کی تمام نشانیوں سے اپنے قربانی کے جانوروں کو مرصع کیا ہوتا ہے مگر یہ فرزندانِ ناہموار اسے بھی چوری کرنے سے باز نہیں آتے اگر ''لبرل اسلام'' کے ماننے والے منافقین اپنے رویے تبدیل کر کے حقیقی اسلام کے پیروکار بن جائیں یعنی مکمل مومن بن جائیں تو امت کو یہ روز سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہو! اس پر مستزاد یہ کہ ان چوروں اور حرام خوروں کو پاکستان کی رسوائے زمانہ تعزیرات سزا نہیں دیتی بلکہ ''لبرل اسلام'' کی نمائندہ کمیونٹی جو حدود اللہ کو ''وحشیانہ'' سزائیں کہتی ہے وہ وحشی اور جنگلی بھی اس درندگی پر بہت پریشان ہیں مگر امن قائم نہیں کر سکے۔ جو دن بھی طلوع ہوتا ہے، وہ فسق وفجور کی تمازت بڑھا دیتا ہے۔ خود کو ترقی یافتہ کہنے والے یورپ کے اندھے مقلد پاکستان میں خیر پیدا نہیں کر سکے۔ پاکستان کی سیکولر سیاسی قوتیں شر، فتنہ وفساد اور تباہی کی نمائندگی کرتی، اسے پھیلاتی اور حکومت کرتی ہیں۔ یہ چار پانچ فیصد جو امن کے روح پرور مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ صرف ان دینی اعمال کی وجہ سے ہیں جو مسلمان انفرادی اور ذاتی ذوق کی بنیاد پر کرتے ہیں ورنہ ریاست کے قانون بد نے تو انکارِ اعمال کی کھلی آزادی دے رکھی ہے۔ اللہ کی پناہ۔

قربانی اپنے شاندار ماضی، امن وسلامتی پر سچی تاریخی روایت وشہادت رکھتی ہے۔ دورِ حاضر میں قربانی نہ صرف یہ کہ امن کا پیغام ہے بلکہ مسئلہ معاش کا عظیم پہلو بھی اپنے جلو میں رکھتی ہے کہ اس عمل صالح کی بدولت معاشی بدحالی ختم ہوتی اور معاشی امن پیدا ہوتا ہے۔ سینکڑوں غریب امیر ہو جاتے ہیں۔ قرآن کا حکم ہے:

فکلوا منها و اطعمو البائس الفقیر. (پ ۱۷ الحج آیت ۲۸) سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ محتاج بے حال کو۔

فکلوا منها و اطعموا القانع و المعتر. (پ ۱۷۔ الحج آیت ۳۶)

سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھنے والے کو اور بیقراری کرنے والے کو۔

ہمارے معاشرہ میں سرمائے کی غیر منصفانہ تقسیم اور یورپ کے معیارِ زندگی کی نقالی نے معاشرہ کو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کہلانے والے لوگ اخلاق سے عاری، ہمدردی سے محروم، اخوۃ، برادری اور برابری کے شائستہ جذبات کو خیر باد کہہ کر دوسرے تیسرے اور چوتھے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ ہمارے معاشرے کا دوسرا تیسرا اور چوتھا طبقہ زندگی کی راحتوں سے مہجور اور معاشی حالات سے رنجور ہے اور سفید پوشی، ظاہر داری اور برادریوں کے جذبۂ تقابل میں اس قدر چُور چُور ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ معاشرے کے جن لوگوں کے پاس مال ومنال زر وجواہر اور دھن دولت موجود ہے۔ پھر اُن میں سے جو اس دولت کو دین کے احکام کے مطابق صرف کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں صدقات دیتے ہیں انفاق عام کرتے ہیں وہ جب قربانی دیں گے تو معاشرہ کے ایسے افراد جو بے چارے مال کی کمی کے سبب ہفتوں اور مہینوں تک گوشت کی شکل سے نا آشنا اور اس کی لذت سے محروم رہتے ہیں۔ قربانی کرنے والا خود کھائے تو اس کی اجازت ہے اس لئے کہ ''**فکلوا منها**'' امرِ استحباب ہے امرِ وجوب نہیں یعنی اجازت ہے حکم نہیں جیسے

و اذا حللتم فاصطادوا. (پ ۶۔ المائدہ۔ آیت ۲) اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو۔

اپنے گھر کے لئے رکھ لے تو اجازت ہے اگر نہ رکھے تو بہتر ہے اور واجب ہے کہ وہ قربانی کا گوشت بے حال محتاج، نادار، بے یار ومددگار اور ایسا مسکین جو قانع صابر محروم ہو اور ایسا مسکین بھی جو سائل اور بے قرار ہو بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر مانگنے لگ جائے سب کو تلاش کر کے پہنچایا جائے۔ ایسے ضرورت مندوں کو زکوٰۃ صدقات وغیرہ کی طرح قربانی کا گوشت پہنچانے سے ان کی طبعی تندی

ترشی اور حالات سے پیدا شدہ نفرتیں کم ہوں گی۔ غضب وانتقام کی جگہ محبت واحترام پیدا ہوگا۔ لوٹ مار قتل وغارتگری کی بجائے حفاظت و خدمت کے نیک جذبات ظہور پذیر ہوں گے۔ معاشرہ میں امن وسلامتی غالب آئے گی یعنی خیر طالب اور شر مغلوب ہوگا۔ رودے اور کھالیں بھی معاشرے کے انہی پسے ہوئے لوگوں کا حق ہے۔ قصاب قطعاً کھال رودے اُجرت میں نہیں لیجا سکتے قربانی کے جانوروں پر ڈالے گئے کپڑے گھنٹیاں زنجیریں جھانجریں وغیرہ سب چیزیں غرباء کا حق ہیں۔ جب غرباء کو ان کا شرعی حق مال کی صورت میں پہنچے گا تو معاشی ناہمواری دور ہوگی اور معاشی ناہمواری کے دور ہونے سے جذبہ حسد ورقابت بھی دور ہوگا جس کا نتیجہ ہے خوشحالی مختصراً ملاحظہ کریں۔

قربانی کے فوائد:

(۱) ایک طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔ قربانی کے لیے جانور خریدے گئے۔ بیچنے والے کو مال منتقل ہوا۔ اُسے کچھ روز گھر میں رکھا، خدمت کی، گھاس دانہ کھلایا

(۲) دوسرے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی۔ قصاب نے ذبح کیا اور مزدوری لی۔

(۳) تیسرے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی، کھال فروخت ہوئی یا خیراتی اداروں میں تقسیم ہوئی۔

(۴) چوتھے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی۔ رودے، زنجیر، کپڑا، جھانجر فروخت ہوئی۔ ان کی قیمت مساکین یتامیٰ، بیوگان محتاج، غریب، دینی کارکن، دینی مدارس کے مسافر طلباء واساتذہ میں مختلف صورتوں میں تقسیم ہوئی۔

(۵) پانچویں طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔ سرمایہ انجماد سے بچا۔ ایک ہاتھ میں نہ رہا مختلف ہاتھوں میں پہنچا ملک وقوم کو فائدہ پہنچا۔ ایسا اہم اور عظیم عمل جس سے معاشرے کے پانچ طبقوں کو فیض، نفع اور فائدہ پہنچتا ہو اس کی مخالفت کرنا کہاں کی خدمتِ انسانی اور خدمتِ حیوانی ہے۔ یا دانشمندی ہے؟ بجز اس کے کہ

بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ہاں یہ سیکولرسٹوں کا ''روشن اور لبرل اسلام'' تو ہوسکتا ہے دین حقیقی نہیں۔

قربانی اور قربانی کے جانور:

قربانی اور قربانی کے جانور شعائر اللہ میں سے ہیں۔ (پ ۱۷۔ الحج آیت ۳۶)

ایسے لوگ جو بے رحمی اور حیوانات کے انسداد کی ذیل میں قربانی کے عمل کو رد کرتے ہیں یا مال کے ضیاع کی نام نہاد حکمت کی بنیاد پر اس کو غلط قرار دیتے ہیں وہ لوگ بنیادی طور پر جاہل وظالم ہیں۔ اس لئے کہ قرآن حکیم نے قربانی اور قربانی کے جانوروں کی حیثیت دین اسلام کی علامتوں میں سے دو علامتیں قرار دی ہیں۔ دین کی علامتوں کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔ ان شعائر کا احترام نہ کرنے والے لوگ خلوص سے محروم ہیں۔ شعائر اللہ کی باقاعدہ وباضابطہ شرعی حیثیت وعظمت ہے۔ اس عمل کی ایک مذہبی، شرعی اور قانونی تاریخ ہے اس کی تردید، تغلیط اور توہین، احکام ومسائل اور قوانین قرآنی سے بے خبری، لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ پھر ایسا آدمی جو قربانی جیسے عمل خیر کو روکتا ہے، اس کے خلاف ذہنوں کو ہموار کرتا ہے اور فضول قسم کی باتیں جو یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں' کرتا رہتا ہے۔ وہ معاشرے کو باہم ایک دوسرے سے کاٹنا چاہتا ہے۔

قربانی کے عمل سے معاشرہ کے تمام طبقات باہم مربوط ہوجاتے ہیں اور یہ حیوانات پر رحم کرنے والا نام نہاد مہربان انسانوں کو محبت، مؤدت، ارتباط، معاشرتی ترقی سے محروم کرنے والا ظالم، سفاک اور خودغرض ہے کہ انسانوں پر رحم نہیں کرتا!

پیغام:

عید، خوش خوراکی وخوش پوشاکی اور کھیل کود کا نام ہی تو نہیں بلکہ عید عبارت ہے......

اجتماعیت ویکجہتی سے، قربانی وایثار سے، عدل وتقویٰ سے، حق شناسی وخدا خوفی سے

محبت، ادب اور اخلاص سے، مودّت اور اخوت کے پاکیزہ جذبات سے!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ.

''اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور نہ لہو لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دلوں کا ادب (خلوص)۔'' (پ:۱۷، الحج، آیت: ۳۷)

احکام ومسائل

● **تمہید:** قربانی جدُّ الانبیاء اور مجدّد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہم السلام اور سید الاوّلین، قائد المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس یادگار اور ابدی سنت ہے......حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایام قربانی میں اللہ تعالیٰ کو اپنے نام پر بہائے ہوئے خونِ قربانی سے زیادہ کوئی چیز اور عمل پسند نہیں۔ ذبح کے وقت خون کا ہر قطرہ زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی خدا کے ہاں مقبول ہوجاتا ہے۔ نیز فرمایا: ذبیحہ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں 'ان میں سے ہر ہر بال کے بدل میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَنْ یَّنَالَ اللہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاءُ ھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ﴾

''اللہ کو نہیں پہنچتے' ان کے گوشت اور نہ لہو۔ لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دلوں کا ادب (خلوص)۔'' (سورۃ حج' ۳۷۔ پارہ ۱۷)

● **قربانی:** بعض اسلام دشمن عناصر جن کو مخلوق خدا کی فلاح کا بہت زیادہ ''درد'' اٹھتا ہے' وہ اس نظریاتی مملکت میں برسوں سے زہر پھیلا رہے ہیں اور خصوصیات کے ساتھ جدید تعلیم سے روشناس مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ قربانی ''مولوی ازم'' کی ایجاد ہے، کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہزاروں لاکھوں روپے کا خون بہا دیا جائے، اس میں انسانیت کی کیا خدمت ہے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو صرف ''مکہ'' میں ہی فرض ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں قربانی نہیں دی۔ کوئی شخص بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ دین متین میں ایک حرف کی بھی تبدیلی کرسکے۔ قربانی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ جو چودہ سو سال سے ادا کی جارہی ہے۔ خود حضور ﷺ نے اور ان کے بعد ان کے صحیح جانشین خلفائے راشدین نے اور صحابہ کرام ﷺ نے اور امت کی مسلّمہ شخصیتوں نے ادا کی اور کروائی۔ یہ کہنا کتنا بڑا دجل ہے کہ ختم المرسلین ﷺ نے صرف مکہ میں قربانی کی۔ حالانکہ احادیثِ صحیحہ میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ مدینہ میں بھی قربانی ہوئی اور لاکھوں مربع میل میں پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت میں بسنے والے مسلمانوں نے اس سنت کو ادا کیا۔

حضور ﷺ نے مدینہ میں قربانی کی:

﴿عن ابن عمر 'قال اقام رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بالمدینہ عَشَرسِنِیْنَ یُضَحِّیْ﴾

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دس برس مدینہ میں قیام فرمایا اور قربانی دی: (ترمذی ص۱۸۲، مسند احمد ج ۷ ص ۵۷)

﴿عن ابن عباس قال کنّا مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی سفر فحضر الا ضحی فاشتر کنا فی البقرۃ سبعۃ وفی البعیر عشرۃ﴾ (ترمذی ص۱۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سفر میں تھے کہ سفر میں ہی قربانی کا دن آ گیا تو ہم قربانی کی گائے کے سات حصوں اور اونٹ کے دس حصوں میں شریک ہوئے۔

جمہور علماء کے نزدیک اونٹ میں دس حصوں والا حکم منسوخ ہوگیا اور سات حصوں والا حکم جاری ہوا۔ اسے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ذکر کیا ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ۔ص ۱۲۸)

ان ہر دو روایات کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ واضح ہوگئی کہ حضور علیہ السلام نے سفر میں بھی قربانی کی اور مدینہ میں بھی، اس کے بعد اس قسم کی لغو اور بے بنیاد باتوں کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور یہ حدیث ان کے قول کے بطلان کے لیے دلیل کا ایک طمانچہ ہے۔

اہل اسلام سے التماس ہے کہ وہ اس قسم کی لغویات پر دھیان نہ دیں اور دین متین کی حفاظت کرتے ہوئے اور محبت رسول علیہ السلام سے سرشار ہو کر اس سنت کو خوب ذوق وشوق سے ادا کریں تاکہ روزِ محشر بارگاہِ رب العزت میں نجات کا سبب اور اللہ کے محبوب ﷺ کی شفاعت کے مستحق بنیں۔ خداوندِ قدوس ہم سب کو سختی سے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ **امین ،ثمّ امین**

● مختصر مسائل قربانی:

● ہر آزاد عاقل بالغ مسلمان جو ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا رکھتا ہو، یا ان دونوں سے جتنی مالیت کی جائیداد یا مال تجارت کا مالک ہو، اس پر عید الاضحیٰ یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ کو صبح صادق طلوع ہونے سے لے کر بارہویں ذوالحجہ کی شام تک چند مخصوص حلال جانوروں میں سے کسی ایک قسم کے جانور کو حکمِ الٰہی اور سنت نبی ﷺ کی پیروی میں ذبح کرنا واجب ہے، جسے شرعی زبان میں اُضحِیَّہ اور ہماری بول چال میں قربانی کہتے ہیں۔

● قربانی کے لیے مذکورہ بالا مالیت پر زکوٰۃ کی طرح سال کا پورا ہونا شرط نہیں۔

● جن لوگوں پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے، انہی پر قربانی واجب ہے اور جیسے صدقۃ الفطر اپنی ذات پر واجب ہوتا ہے، اہل و عیال کی طرف سے از خود دینا نفلی عبادت ہے، ایسے ہی قربانی بھی صرف اپنی ذات پر واجب ہے۔ البتہ دوسرے کی طرف سے ثواب کے طور پر یا وکیل بن کر قربانی کرنا درست ہے۔

● کسی کے پاس بالکل مال نہ تھا، لیکن اچانک کسی طرح دسویں کی صبح کو یا بارہویں کو غروب آفتاب سے پہلے مذکورہ بالا مالیت حاصل ہوگئی تو اس پر قربانی واجب ہے۔

● ایسے شخص نے کسی کی غیر موجودگی میں اس کی طرف سے اجازت کے بغیر قربانی دے دی وہ ادا نہ ہوئی، بلکہ غائب پر بدستور واجب رہے گی۔

● صاحب مال آدمی اگر مقروض ہے تو ادائے قرض کے بعد مذکورہ بالا مالیت باقی بچے تو قربانی واجب ہے، ورنہ نہیں۔

● اگر کسی شخص پر قربانی واجب نہ تھی اور اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا اور ایسے ہی کسی نے کوئی منّت مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں قربانی دوں گا اور اتفاقاً وہ کام بھی ہوگیا، تو اس پر قربانی واجب ہوگئی لیکن منت والی قربانی کا گوشت خواہ وہ امیر کی طرف سے ہو یا غریب کی طرف سے نہ خود کھانا جائز ہے اور نہ ہی صاحب حیثیت افراد کو کھلانا، کیونکہ منت بھی ایک صدقہ ہے اور صدقہ مساکین اور فقراء کا حق ہوتا ہے، اگر بھول کر کھالیا یا کھلا دیا' تو اتنی ہی مقدار میں مزید گوشت خیرات کرنا واجب ہوگا۔

● مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ البتہ سفر میں کسی جگہ پندرہ دن تک ٹھہرنا ہوگیا تو قربانی واجب ہوگی۔

● دیہات میں رہنے والوں کے لیے نماز عید سے پہلے قربانی جائز ہے۔

● شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لیے نماز عید ادا کرنے سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

● اگر کسی شخص نے قربانی میں اتنی تاخیر کردی کہ بارھویں تاریخ کو غروب آفتاب تک بھی قربانی نہ کرسکا، اگر جانور خرید چکا تھا ،تو وہی جانور خیرات کردے، اگر جانور نہیں خریدا تھا، تو ایک بھیڑ یا بکری کی قیمت خیرات کردے۔

● اگر کسی نے قربانی کا جانور پالنے کے لیے کسی کو دے دیا تو پالنے والا اس کا مالک نہیں ہوسکتا، نہ ہی اسے بیچ سکتا ہے۔ بیچنا ہو تو اصل مالک کی اجازت حاصل کرنا ہوگی۔

● **قربانی کے جانور:**

بکرا، بکری، مینڈھا، بھیڑ، دنبہ، دنبی، بیل، گائے، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی' ان چھے حلال جانوروں میں سے ایک قسم کا جانور ہونا ضروری ہے، ان کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی جائز نہیں۔

● **قربانی کے جانور کی عمر:**

اس ترتیب کے مطابق ہونی چاہیے۔ بکرا، بکری' ایک سال، گائے، بیل، بھینس، بھینسا' دو سال، اونٹ، اونٹنی پانچ سال کا ہونا ضروری ہے البتہ بھیڑ، مینڈھا، دنبہ، دنبی اگر اتفاقاً تندرست اور موٹے تازے ہوں کہ ایک سال کی عمر والے ہم جنسوں میں چھوڑ دینے سے دونوں میں کوئی فرق معلوم نہ ہو، تو ایسے چھ مہینے کے دنبے، دنبی، مینڈھا، بھیڑ کی قربانی جائز ہوگی بصورت دیگر ان کے لیے ایک سال کا ہونا ضروری ہے۔

● **قربانی کے جانور کی کیفیت:**

قربانی کا جانور خوب صحت مند موٹا تازہ، بے عیب ہونا چاہیے۔ اگر کچھ دبلا پتلا ہو تو جائز ہے لیکن ایسا مریل جانور جس کو سہارا دیکر چلایا جائے، قربانی کے لیے جائز نہیں۔

● **قربانی کا جانور ان عیوب سے پاک ہونا چاہیے:**

ٹوٹے ہوئے سینگ نہ ہوں۔ ایک کان کا تہائی سے زائد حصہ کٹا ہوا نہ ہو۔ اندھا نہ ہو، یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی یا تہائی سے زائد روشنی ضائع نہ ہو۔ جس کا ابتدا سے کوئی دانت نہ ہو۔ جس کی تہائی یا تہائی سے زائد دُم کٹی ہوئی نہ ہو۔ مرض یا چوٹ وغیرہ کے سبب لنگڑا نہ ہو کہ صرف تین پاؤں پر چل سکے اور چوتھا پاؤں زمین پر نہ رکھ سکے اور گھسیٹتا رہے۔ مادہ حاملہ نہ ہو۔

● **قربانی کے جانور میں حصہ:**

● بکرا، بکری، بھیڑ، مینڈھا، دنبہ، دنبی' ان میں حصہ داری نہیں ہوسکتی، گائے بیل بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی میں سات افراد حصہ دار بن سکتے ہیں، سات سے زائد کی قربانی جائز نہ ہوگی۔

● جس جانور میں سات افراد شریک ہوں' سب کو برابر تول کر گوشت تقسیم کرنا چاہیے کمی بیشی سے تقسیم جائز نہیں۔

● قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل سنت اور مستحب ہے' خود نہ کرسکتا ہو تو پاس کھڑا ہونا بہتر ہے، قربانی کے لیے افضل دن دسویں کا ہے۔ باقی دو دنوں میں بھی درست ہے۔ قربانی کا صحیح وقت دن کا ہے' رات کو کرنا بہتر نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات صحیح ذبح نہیں ہوسکتا، ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھیں۔

● **ذبح کے وقت دعا:**

﴿اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفاً وَّ مَآاَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ Oاِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ Oلَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ O﴾

اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر جانور کو ذبح کرے اور مکمل دعا یاد نہ ہو تو صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے۔ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ بغیر تکبیر کہے ذبح کرنا جائز نہیں۔ جب ذبح کر چکے تو پھر یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ ''اے اللہ! یہ قربانی میری طرف سے پسند اور منظور کر لیجیے۔'' اگر اپنے سوا کسی اور کی طرف سے بغرض ثواب یا بطور ادائے فرض دینا ہو تو ''مِنِّیْ'' کی جگہ ''مِنْ'' کے بعد اس شخص کا نام لے' جس کی طرف سے دے رہا ہے۔ پھر آگے یہ الفاظ کہے: کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام۔

''جیسے کہ آپ نے اپنے پیارے حضرت محمد ﷺ اور اپنے خاص دوست حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قربانی پسند فرمائی۔''

● **قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کا مصرف:**

قربانی کے جانور کی کھال قصاب وغیرہ کو مزدوری میں دینا جائز نہیں۔ کھال یا اس کی قیمت مستحقین میں خیرات کر دیں۔ دینی مدارس کے مسافر طلباء بھی اس کے مستحق ہیں۔ عصر حاضر میں طاغوتی اور سامراجی قوتوں کے دینی مدارس کے خلاف عزائم و منصوبوں کو ناکام بنانے اور مدارس کے مالی استحصال کا مقابلہ کرنے کے لیے مدارس ہی ان کا بہترین مصرف ہیں۔

● **گوشت کی تقسیم:**

گوشت کے مختلف حصے کر کے بہتر تو یہ ہے کہ تول کر تقسیم کرے۔ غرباء، مساکین، یتامیٰ، مسافر اور اپنے عزیز واقارب واحباب سب کو دے۔ کھال، رسی، زنجیر، گھنگرو، جھانجر، دوپٹہ یا گوشت بطور مزدوری دینا جائز نہیں۔ مزدوری نقد طے کرنا چاہیے۔ یہ تمام چیزیں یا ان کی قیمت صدقہ کر دے۔

● **نمازِ عید کے متعلق کچھ باتیں:**

شب عید کو نوافل ادا کرنا، توبہ استغفار کرنا، عید کے لیے اوّل وقت میں نہانا، اپنی حیثیت کے مطابق اچھے کپڑے پہننا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا سنت ہے۔ نماز کے لیے ایک راستہ سے جانا اور راستہ بدل کر آنا سنت ہے، راستہ میں ان

تکبیرات کا مناسب آواز میں پڑھنا سنت ہے۔ اَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ قربانی کرنے والے کے لیے بہتر ہے کہ نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھائے۔

ترکیب نمازِ عید

● **پہلی رکعت:**

تکبیر تحریمہ یعنی پہلی تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھ لیں، سبحانک اللّٰھم تمام پڑھیں، پھر تکبیریں کہیں پہلی اور دوسری تکبیر کہہ کر کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں، تیسری تکبیر پر ہاتھ باندھ لیں، پھر امام قرأت کرے گا، باقی حسبِ معمول پوری کریں۔

● **دوسری رکعت:**

جب امام فاتحہ اور سورۃ پڑھ چکے تو امام کے ساتھ چار تکبیریں کہیں پہلے تین مرتبہ تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دیں اور کھڑے رہیں چوتھی تکبیر کہنے پر رکوع میں جائیں۔ باقی ارکان حسبِ معمول پورے کریں اور سلام کے بعد دعا مانگ لیں۔

● **خطبہ عید:**

جیسے جمعہ میں نماز سے پہلے خطبہ سننا واجب ہے۔ اسی طرح عیدین میں نماز کے بعد خطبہ سننا بھی واجب ہے۔ خطبہ سنے بغیر عیدگاہ سے جانا گناہ ہے۔ عیدین کو جماعت کے ساتھ ہی ادا کرنا چاہیے۔ جماعت چھوٹ جانے کی صورت میں قضاء لازم نہیں ہوگی۔

● **تکبیر التشریق:**

ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو نمازِ فجر کے بعد سے تیرہویں کی نمازِ عصر تک پانچ دنوں کے وقت کو ''ایام التشریق'' کہتے ہیں۔ ان دنوں میں اکیلے یا باجماعت ہر فرض نماز کے بعد اونچی آواز کے ساتھ ایک بار ''تکبیر التشریق'' کہنا واجب ہے۔ تکبیر یہ ہے: **الله اکبر ،الله اکبر ،لااله الا الله والله اکبر ،الله اکبر ،ولله الحمد**

● **عشرہ ذی الحجہ کے فضائل اور یوم الحج کا روزہ:**

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے عشرہ ذوالحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں۔ اس عشرہ میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔'' (ترمذی وابن ماجہ)

قرآن کریم میں سورۃ والفجر میں اللہ تعالیٰ نے دس خاص راتوں کی قسم کھا کر ان کی اہمیت ظاہر فرمائی ہے۔ امت کے جمہور علماء کے نزدیک ان دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ ذوالحجہ کی آٹھویں اور نویں تاریخ کی درمیانی رات عبادت میں مشغول رہنا اور نویں تاریخ میں یوم الحج یا یوم عرفہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اس رات اور دن کی بڑی فضیلت ہے۔ ۹ رذی الحجہ کا روزہ رکھنے سے گزشتہ ایک سال اور آئندہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان عبادات اور فرائض واجبات کو ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

واللّٰہ الموفق وھوا المستعان وعلیہ التکلان

بدرِ نبوّت، قمرِ منیر صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

کوئی نوری نہیں آپ کے برابر......کوئی خاکی آپ جیسا نہیں ہے

''ہم نے دیکھا ہے آپ کا جادو ہر چیز پر چل جاتا ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ آسمانی مخلوق پر آپ کا جادو نہیں چل سکتا۔ اگر آپ نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دکھائیں ہم کلمہ توحید کا اقرار کرلیں گے۔'' خاتم المعصومین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین مکہ سردارانِ قریش نے یہ مطالبہ کیا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام ابنائے آدم کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ قریش مکہ تو اُن کا اپنا خاندان اور قبیلہ تھا، وہ اس کے شدت کے ساتھ خواہش مند تھے کہ یہ سب لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس سے پہلے ابوجہل کے ہاتھوں میں کنکریاں کلمہ شہادت پکار چکیں تھیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خالقِ کائنات پر پورے بھروسے کے ساتھ اپنی انگشت شہادت سے بدر کامل کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر قریش مکہ ایمان لاتے ہیں تو اے خالقِ ارض وسما تو یہ بھی کر دے...... چاند کے دو ٹکڑے ہوئے: ایک ٹکڑا صفا پہاڑی سے اس پار لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے آیا اور واپس ہوا تو دوسرا ٹکڑا حاضر ہو کر محمد رسول اللہ کہتے ہوئے واپس جا رہا تھا...... ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے چیختے ہوئے کہا ''ارے اتنا بڑا جادو؟ آسمانی کواکب پر بھی اس کا جادو چل گیا'' فرمایا اے نبی جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ ہدایت تو اللہ اس کو دیتا جو ہدایت لینے کا ارادہ کرتا ہے (القرآن)

اس معجزہ نبوی کو دنیا بھر کے کئی ممالک نے دیکھا جن میں سے ملیبار کے راجہ کا خصوصی ذکر ملتا ہے۔ اُس نے کھوج لگایا پھر اسلام کے دامانِ رحمت میں پناہ لے کر امر ہو گیا۔ برصغیر کی قدیم ترین مسجد وہاں اب بھی موجود ہے جس کا تفصیلی ذکر محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان پاکستان کے قومی اخبارات میں کر چکے ہیں۔ مشرکین مکہ اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی محروم رہے۔

تہی دامان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

آسمانی چاند کو اللہ کے نبی کی سپر طاقت نے دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَر. (القرآن)

مگر یہی سپر طاقت محمد رسول اللہ جب ۸/ربیع الاوّل ا ھ، کو قُبا کی بستی میں قیام فرما ہوئی تو اہلِ مدینہ کی پیاسی نگاہوں نے مدینہ سے کئی میل باہر استقبال کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چند دن قُبا میں تشریف فرما رہے۔ مسجد قبا کی بنیاد

رکھی، ۱۳ربیع الاوّل کو بوقت زوال آفتاب اپنے ایک سو انصار و مہاجر صحابہ کے ساتھ محلّہ بنی سالم میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔ نماز کے بعد قافلہ مدینہ کی بستی میں داخل ہوا تو بچیوں کی زبان پر ایک ترانہ تھا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاع

وداع کی گھاٹیاں پیچھے رہ گئیں، ہمارا چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا۔ جب تک کوئی داعی اللہ کی طرف دعوت دے گا شکر ادا کرنا ہم پر واجب ہے (جسے ہم ادا کرتے رہیں گے)۔

بس جدائی کی راتیں ختم اگلی صبح بدر کامل اپنی جولانیاں دکھا رہا تھا۔ ورودِ نبوی سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ کے پہلے معلم بن کر گھر گھر دعوتِ دین اور تعلیم قرآن پہنچا رہے تھے۔ اب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے ناقۂ نبوی کے بیٹھنے کی جگہ مسجد النبی علیہ السلام قرار پائی۔ قطعہ زمین کی قیمت حکم نبوی پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ادا کردی۔ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی ساتھ ایک چھپر مساکین، بے گھر صحابہ کے لیے تعمیر کردیا گیا مگر یہ چھپرا صحاب صُفّہ کے نام سے مدینہ کی پہلی یونیورسٹی قرار پایا۔ جہاں سے علومِ نبوت اور انوارِ نبوت پورے ربع مسلوک میں تقسیم کیے گئے۔

بدرِ نبوت کے طلوع ہونے پر اگلی صبح آسمانی بدرِ کامل پر اہل مدینہ کی بے نیاز نظریں گئی ہی نہیں، بس اعلان ہو گیا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ...... تا قیامت اب ہم اس ہادی و مہدی بدرِ ہدایت کا نورِ ہدایت لے کر چلتے رہیں گے۔ انصاری بچیوں کی آرزو اور تمنا اُن کے الفاظ میں زبردست خلوص کے ساتھ نمایاں تھی تو اللہ نے گویا ان کی یہ آرزو اور یہ تمنا پوری فرمادی۔ انصار و مہاجرین اور ان کی مجاہد اولادیں پورے عالم میں دعوتِ دین لے کر پہنچ گئیں۔ آج جاپان اور نیوزی لینڈ مشرق کے آخری کناروں سے شمالی و جنوبی امریکہ مغرب کے آخری کناروں تک مسلم ممالک درجنوں کی تعداد میں اور محمدی امت زائد از ڈیڑھ ارب چھائی ہوئی ہے۔

نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کا دین آخری دین اور آپ کی امّت آخری امّت ہے۔ لہٰذا آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اصول وضوابط دیے کہ اُن کو قیامت تک کوئی نہ جھٹلا سکے گا۔ انہی کامل احکام میں سے اور اسلامی شعائر میں سے ایک رؤیتِ ہلال ہے۔ اوقاتِ نماز اور اوقاتِ سحر و افطار کے سوا دین اسلام کے تقریباً تمام احکام و اوامر کا تعلق درست رؤیتِ ہلال کے ساتھ ہے۔

سائنسی نیومون یعنی اجتماع شمس وقمر کے زیرو پوائنٹ سے لے کر بدر کامل اور پھر زوال قمر سے سلخ یعنی آخری تاریک راتوں تک چاند کو عروج و زوال کی ساری منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں۔ اگرچہ سورج کی یہ صورت نہیں لیکن وہ روزانہ صبح دوپہر شام کو اپنی عروج و زوال کی کیفیات کا اظہار کرتا رہتا ہے، سال بھر میں تین سے پانچ تک ایسے بھی مواقع آتے

ہیں کہ یہ نیّرین (سورج اور چاند) منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے مگر میرے آقا نورِ نبوت کا وہ سورج ہیں جس کا نہ غروب ہے نہ زوال اور میرے آقا وہ بدرِ منیر ہیں کہ گرہن جس کے نزدیک جانے کا سوچ نہیں سکتا۔ اُسی شمسِ نبوت اور بدرِ منیر کی شریعت بھی اور قوانین بھی گرہن نا آشنا ہیں۔

نبوی اقوال وافعال نبوت کا نور لیے ہوئے ہیں۔ اس نور کو ظلمت چھو نہیں سکتی۔ بلکہ اس نور سے عالم کون ومکان کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ عام انسانی علمی اجتہادات، نبوی فیصلوں کے سامنے ہیچ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا: نَحْنُ اُمَّۃٌ اُمِیَّۃٌ. ہم امی امت ہیں۔ اور فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے یا ۳۰ دن کا۔ ۲۹ ویں دن شام کو چاند کو ڈھونڈو۔ انسانی آنکھیں ہلال کو پالیں تو یہی اسلامی ماہ کی پہلی شب ہوگی۔ اگر عینی رؤیت نہ ہوسکے انسانی آنکھ دیکھنے کی شرعی گواہی نہ ملے تو رات جاری مہینے کی آخری رات شمار ہوگی اور آئندہ دن جاری مہینے کا تیسواں دن ہوگا۔ اس طرح اگلی رات اگلے اسلامی ماہ کی پہلی رات ہوگی۔

آج ٹیکنالوجی کا دور ہے مگر ہم اس میں اسلامی سکّہ چلائیں گے جس کی ایک طرف لا الٰہ الاّ اللہ اور دوسری طرف محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔

سائنسی نیومون اس زیرو پوائنٹ کو کہا جاتا ہے جب دائرہ فلک کے ۳۶۰ درجوں میں سے کسی ایک درجے پر سورج اور چاند اکٹھے ہوں۔ ایک لمحہ بعد والے چاند کو نیومون کہا جاتا ہے، چاند اپنی آخری تاریخوں ۲۸، ۲۹، ۳۰، کو سورج کی تیز شعاعوں کی زد میں ہوتا ہے لہٰذا قطعاً نظر نہیں آتا۔ نقطۂ قران سے کم وبیش ۱۲ درجے تک وہ پردۂ خفا میں رہتا ہے اسی کو تحت الشعاع ہونا کہا گیا ہے۔ قرانِ شمس وقمر آج سے ہزاروں سال پہلے کا بھی معلوم کرلیا گیا ہے اور ہزاروں سال بعد کا بھی ہمارے سامنے ہے۔ قرانِ شمس وقمر دن رات کے ۲۴ گھنٹے میں کسی بھی وقت ہوسکتا ہے مگر عینی رؤیت صرف بوقت مغرب بصورتِ ہلال...... افق مغرب پر نظر آنے والے ہلال نَو کو کہتے ہیں۔ اگر ہلال نظر آنے کا حسابی یقین ہو اور سو فیصد یقین ہو مگر بادل وگرد وغبار کی وجہ سے ہلال عملاً نظر نہ آئے تو بحکم نبوی اسے اسلامی ماہ کی شب اوّل شمار نہ کیا جائے گا جیسا کہ ۲؍جولائی ۲۰۱۱ء کی شام اگر بادل وگرد وغبار نہ ہوتے تو کراچی، گوادر وغیرہ جنوبی پاکستان میں ہلالِ شعبان کا نظر آنا یقینی تھا۔ ہم اہل اسلام سائنس اور ٹیکنالوجی کو اسلامی احکام میں معاون اور خادم کا درجہ دے سکتے ہیں، اس سے زیادہ قطعاً نہیں۔ البتہ جب سائنسی حسابات چاند کے عدم امکان کا اظہار کریں تو اس عدم کو وجود اور اس نفی کو اثبات میں نہیں بدلا جاسکتا۔ نبوت کا بدرِ منیر ہمیں ضرورت کی تمام واضح راہیں دے چکا ہے۔ آسمانی شمس وقمر اور ہلالِ نَو کا فیصلہ نبوت کے بدر کامل کے انوار سے کریں گے ہم سورج اور چاند کے محتاج نہیں، بدرِ نبوت کے محتاج ہیں۔ ۲۸؍اکتوبر ۲۰۱۱ء کی شام ذی الحجہ کا چاند تقریباً سو فیصد یقینی، عید الاضحیٰ ۷؍نومبر ۲۰۱۱ء بروز پیر اور ۶؍نومبر ۲۰۱۱ء کو عرفہ کا دن ہوگا۔ ان شاء اللہ

قسط:۲

آیت استخلاف اور خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

اس کے برعکس دوسرا مؤقف یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں ''استخلاف'' کا وعدہ صرف ان لوگوں سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور ایمان و عمل صالح کے اوصاف سے متصف تھے۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس آیت میں استخلاف کا ربط سابقہ آیات سے یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اپنے دلائل قدرت، وحدانیت بیان فرما کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے۔ یہ آیت استخلاف اس ترغیب کا تکملہ اور تتمہ ہے کہ دیکھو ایمان والوں کے لیے اس دنیا میں اِن اِن انعامات کا ہم نے وعدہ کیا ہے۔ اگر تم ایمان لاؤ تو ان انعامات سے تم بھی فیض یاب ہوگے۔ آیت استخلاف کے بعد خدا نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے......''

اور ''الّذین امنوا وعملوا'' دونوں صیغہ ماضی کے ہیں پھر اس کے بعد لفظ ''منکم'' ہے جو ضمیر حاضر پر شامل ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی اُمیّہ و بنی عبّاس وغیرہ ''موعود لہم'' نہیں ہو سکتے۔ ''موعود لہم'' وہی صحابہ کرام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم ہیں جو نزول آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے خلفائے اربعہ بھی ان ہی میں ہیں۔ (تحفہ خلافت صفحہ ۱۱۰، ۱۱۹۔ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

حضرت موصوفؒ نے پہلے اقتباس میں صاف طور پر یہ اقرار فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں سے ''استخلاف فی الارض'' کے انعام سے ترغیب دیتے ہوئے وعدہ کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ تو ان انعامات سے تم بھی فیض یاب ہوگے۔ ظاہر ہے کہ جو حضرات قبل ازیں مشرف بہ ایمان ہو چکے ہیں وہ تو اس انعام استخلاف کے مستحق ہیں ہی لیکن جن حضرات کو وعدہ استخلاف کے ساتھ ایمان و عمل صالح کی ترغیب دی جا رہی ہے وہ تو نزول آیت کے بعد ہی اس انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اس طرح امام اہل سنت نے بھی ان محققین اور مفسرین کے مؤقف کی تائید کر دی ہے جنہوں نے وعدہ استخلاف کو آیت استخلاف میں بیان کردہ اوصاف کے ساتھ عام رکھا ہے۔

لیکن اس کے برعکس دوسرے اقتباس میں موصوف نے ماضی (امنوا وعملوا) کے صیغوں کی وجہ سے نزول آیت کے بعد ایمان لانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس انعامِ استخلاف سے محروم کر دیا ہے جو محل نظر ہے۔

اگر وعدۂ استخلاف کو اس وقت موجود اہل ایمان کے ساتھ ہی خاص کرنا تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ کفار و منافقین کو مخاطب کر کے نیز اپنے دلائلِ قدرت اور وحدانیت بیان فرما کر انہیں ایمان لانے کی ترغیب ہی کیوں دی گئی تھی؟ یہ بات عدل کے تقاضوں کے بھی منافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نزول آیت کے وقت تک کے مسلمانوں کو تو انعامِ استخلاف سے نوازے اور اس کے فوراً بعد ہی ایمان لانے اور عمل صالح بجالانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''شرائط خلافت'' پر پورا اترنے کے باوجود انعامِ استخلاف سے کلیتاً محروم کر دے۔ کیا اس کا نام ترغیب ہے کہ تمہیں یہ انعام نہیں مل سکتا؟ معلوم نہیں کہ پھر امام اہل سنت نے آیت استخلاف کو کس بنیاد پر اس ترغیب یعنی استخلاف فی الارض کا تکملہ اور تتمّہ قرار دیا ہے کہ اگر تم ایمان لاؤ تو تم بھی اس انعام سے فیض یاب ہوگے۔

حضرت موصوف نے ماضی کے صیغوں اور حاضر (منکم) کی ضمیر کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''انعام استخلاف'' سے جو محروم کیا ہے وہ بھی قطعی نہیں ہے کیونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود ان کی اپنی تحقیق کے مطابق ''صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے'' (ملاحظہ ہو: ازالۃ الخفاء، جلد اوّل صفحہ ۴۷۲)

جب کہ آیت استخلاف کے سنِ نزول کے حوالے سے تفسیری، حدیثی اور تاریخی کسی قسم کی کوئی روایت موجود نہیں ہے جس سے قطعیت اور تیقّن کے ساتھ کوئی دعویٰ کیا جا سکے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ پورے قرآن کی نزولی ترتیب یقین کے ساتھ بیان ہی نہیں کی جاسکتی۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبینِ وحی کو ساتھ ہی یہ بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر لکھ لیا جائے چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے مقام پر درج ہو جاتی تھی۔

ترتیبِ نزول کو محفوظ رکھنے کی کوشش نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ اس لیے جب قرآن مکمل ہو گیا تو لوگوں کو یہ یاد بھی نہیں رہا کہ کون سی آیت کس ترتیب سے نازل ہوئی تھی؟ لہٰذا اب جزوی طور پر بعض سورتوں یا آیتوں کے بارے میں تو یہ علم ہو جاتا ہے کہ ان کی ترتیب کیا تھی لیکن پورے قرآن کی ترتیب نزول یقین کے ساتھ بیان نہیں کی جاسکتی۔

علاّمہ سیوطی نے ''الاتقان'' میں بعض روایات کی مدد سے سورتوں کی ترتیب نزول بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن درحقیقت ان روایتوں سے یقینی طور پر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کون سی سورۃ مکّی اور کون سی سورۃ مدنی ہے۔ ماضی قریب میں بعض مستشرقین نے بھی ترتیب نزول معیّن کرنے کی کوشش کی ہے...... لیکن ہماری نظر میں یہ ساری کوشش ایک ایسے کام میں اپنا وقت صرف کرنے کے مترادف ہیں جس میں کبھی یقینی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ (علوم القرآن، صفحہ: ۶۹۔۷۱)

موصوف کا یہ لکھنا محل نظر ہے کہ ''درحقیقت ان روایتوں سے یقینی طور پر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کون سی سورۃ مکّی اور کون سی سورۃ مدنی ہے۔'' کیونکہ بعض سورتوں کے مکّی اور مدنی ہونے کے بارے میں بھی یقینی طور پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اسی لیے انہیں ''مختلف فیہا'' قرار دیا گیا ہے اور ان کے بارے میں مکّی و مدنی ہونے کے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔ بعض حضرات کے

نزدیک ۱۱۴ سورتوں میں سے ۸۷ مکّی اور ۲۷ مدنی ہیں جب کہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک ۸۶ مکّی اور ۲۸ مدنی ہیں۔

تاہم ان کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ''اب جزوی طور پر بعض سورتوں یا آیتوں کے بارے میں تو یہ علم ہوجاتا ہے کہ ان کی ترتیب کیا تھی؟'' لیکن لطف یہ ہے کہ آیت استخلاف کے بارے میں یقینی طور پر یہ دعویٰ سرے سے کیا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ کس وقت اور کس سال نازل ہوئی تھی؟ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''موعودلہم'' سے یقینی طور پر کیوں کر خارج کیا جاسکتا ہے؟

بعض حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آیت استخلاف سورۃ النور کی ہے اور سورۃ النور صلح حدیبیہ سے پہلے ۵ ھ یا ۶ ھ نصف آخر میں نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی تسلیم کیا جائے تو بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتے کیونکہ آیت استخلاف سورۃ النور کی ہے اور یہ سورۃ غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی الہ عنہا کا واقعہ افک پیش آیا تھا اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ ۵ ھ میں ہوا تھا یا اس کے بعد یا ۶ ھ کے نصف آخر میں۔ اور ظاہر ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد اسلام لائے تھے لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت استخلاف کا مصداق نہیں بن سکتے۔ ان حضرات کے نزدیک وعدہ استخلاف دراصل مہاجرین اوّلین صحابہ کے لیے ہے جیسا کہ سورۃ الحج کی آیت تمکین میں ہے اور یہ سورۃ النور سے بہت پہلے نازل ہوئی ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سورۃ النور میں وعدہ استخلاف بھی ان ہی مہاجرین اوّلین سے ہے۔

ان حضرات کے مذکورہ جملہ دعوے محل نظر ہیں جن کی بنا پر وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف کا مصداق قرار نہیں دیتے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کتب تاریخ وسیر میں ان آیات کے نزول کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں لہٰذا قطعیت کے ساتھ اور یقینی طور پر سورۃ النور کے سنِ نزول کے متعلق سرے سے کوئی دعویٰ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ۹ رکوعات اور چونسٹھ آیات پر مشتمل یہ سورہ مبارکہ یک بارگی نازل ہوئی ہے؟

کیا آیت استخلاف (۵۵) بھی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی نازل ہوئی ہے؟ کیا سورۃ الحج سورۃ النور سے بہت پہلے نازل ہوئی ہے؟

اس بات سے اختلاف ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کی تعدادِ آیات میں اختلاف ہے، تعدادِ رکوعات میں اختلاف ہے، مکّی ومدنی سورتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، آیاتِ سجدہ کی تعداد میں اختلاف ہے اور ترتیب نزولی میں بھی اختلاف ہے۔

۵ ھ یا ۶ ھ کے نصف آخر میں سورۃ النور کے نزول کا دعویٰ صرف اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ ''افک'' کا واقعہ غزوہ بنی مصطلق میں پیش آیا تھا اور ''افک'' کی آیات بھی سورۃ النور میں ہیں۔

کتب تاریخ وسیر میں غزوہ بنی المصطلق کے وقوع کے بارے میں ۴ ھ، ۵ ھ، ۶ ھ، کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ یہ اختلاف خود قطعیت کے دعویٰ کا بطلان ظاہر کررہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ واقعہ افک کا وعدہ استخلاف کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

واقعہ افک اگر بالفرض مذکورہ ''دعویٰ'' کے مطابق ثابت بھی ہوجائے تو اس سے بھلا وعدہ استخلاف کے زمانہ کا

تعین کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ پھر یہ بھی کوئی لازمی اور ضروری نہیں ہے کہ آیت استخلاف بھی اسی موقع پر نازل ہوئی ہو۔

خود سورۃ البقرہ کے مضامین تحویل قبلہ وغیرہ اس پر شاہد ہیں کہ یہ سورۃ ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی لیکن اس کی آیت ''وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ...... '' (۲۸۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے چند دن پہلے نازل ہوئی ہے۔

علّامہ فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ آیت مذکورہ آخری آیت ہے جو رسول اللہ پر نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ ۲۱ دن زندہ رہے۔ ایک قول سات دن کا بھی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی ہے۔

اسی طرح تفسیر ابوالسعود میں ہے اور واحدی نے اپنی کتاب ''اسباب النزول'' (صفحہ: ۹) میں دو طریقوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک سند پہنچاتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

ابن مردویہ نے بھی بواسطہ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ''آخر اٰیة نزلت'' یعنی یہ آخری آیت ہے جو نازل ہوئی ہے۔ اور اس کو ابن جریر نے عوفی اور ضحاک کے واسطہ سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (تاریخ افکار وعلوم اسلامی، جلد اوّل صفحہ: ۸۰۔۸۱۔ مؤلفہ علّامہ راغب طباخ، مترجمہ: مولانا افتخار احمد بلخی)

اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ البقرہ کی ایک آیت اس سورۃ کے نزول کے تقریباً دس سال بعد نازل ہوئی تھی۔

اگر سورۃ النور بالفرض غزوہ بنی مصطلق کے بعد ۶ھ کے نصف آخر میں بھی نازل ہوئی تو اس سے یہ کیوں کر سمجھ لیا جائے کہ آیت استخلاف بھی اسی موقع پر نازل ہوئی تھی اور اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبل از فتح مکّہ بر موقع عمرۃ القضا اور بقول امام اہل سنّت صلح حدیبیہ کے سال مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ پھر بعد از فتح مکّہ حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کی طرح وہ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ تفصیل ''ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان'' ستمبر ۲۰۱۱ء کے شمارہ میں زیر عنوان: ''آیت تمکین اور خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' گزر چکی ہے۔

علاوہ ازیں آیت استخلاف کے سنِ نزول پر بحث کرتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اسلام میں پہلی مرتبہ سن ہجری کا آغاز ونفاذ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے تقریباً سات سال بعد دورِ فاروقی میں ۱۷ھ میں ہوا تھا۔ اس سے پہلے مسلمان ''ہجری کیلنڈر'' سے ہی نا آشنا تھے۔

مؤرخین نے بہت بعد میں مختلف واقعات کی سنوں کا محض اندازے کے ساتھ تعیّن کیا جنہیں یقینی اور قطعی ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا جب کہ آیت استخلاف کے حوالے سے تفسیری، حدیثی اور تاریخی کسی قسم کی کوئی روایت بھی موجود نہیں ہے۔ معلوم نہیں پھر اس کے نزول کے حوالے سے بقیدِ سن پورے تیقن کے ساتھ دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

اسی طرح ان حضرات کا یہ دعویٰ بھی خلافِ حقیقت ہے کہ ''سورۃ الحج (جس میں آیت تمکین کا ذکر ہے) سورۃ

النور سے بہت پہلے نازل ہوئی ہے۔''

سورۃ الحج کا سورۃ النور سے ''پہلے'' نزول کو قطعی طور پر ثابت کرنا ہی مشکل ہے چہ جائے کہ ''بہت پہلے۔'' امام جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان میں مدنی سورتوں کی نزولی ترتیب میں ایک ترتیب کے مطابق سورۃ الحج کا نزولی نمبر ۷ جب کہ سورۃ النور کا نزولی نمبر ۸ بتایا ہے۔ دوسری ترتیب کے مطابق سورۃ الحج کا نزولی نمبر ۸ جب کہ سورۃ النور کا نزولی نمبر ۹ بتایا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس ایک ترتیب کے مطابق سورۃ الحج کا نزولی نمبر ۹ جب کہ سورۃ النور کا نزولی نمبر ۸ تحریر کیا ہے۔ گویا موصوف کے نزدیک دو ترتیبوں میں سورۃ الحج، سورۃ النور سے ایک نمبر پہلے اور اور ایک ترتیب کے مطابق ایک نمبر بعد نازل ہوئی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ سورۃ الحج، سورۃ النور کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ موجودہ ترتیب کے اعتبار سے سورۃ الحج کا نمبر ۲۲ ہے جب کہ سورۃ النور کا نمبر ۲۴ ہے لیکن یہاں نزولی ترتیب زیرِ بحث ہے۔

ادارہ دارالسلام ریاض اور لاہور سے تصحیح کے مکمل اہتمام کے ساتھ ۲۰۰۳ء میں ''القرآن الکریم'' کا ایک نسخہ شائع کیا گیا جس میں ہر سورۃ کے ساتھ ساتھ موجودہ اور نزولی ترتیب کی وضاحت کے علاوہ آخر میں بھی سورتوں کی ایک مکمل فہرست دے دی گئی ہے جس کے مطابق سورۃ النور کا نزولی نمبر ۱۰۲، سورۃ الحج کا نمبر ۱۰۳، سورۃ النصر کا نمبر ۱۱۴ ہے۔

الشیخ محمد الغزالی کی ترتیب کے مطابق مدنی سورتوں میں سورۃ النور کے نزول کا نمبر ۱۹ ہے جب کہ ۱۸ نمبر پر سورۃ النصر اور نمبر ۲۰ پر سورۃ الحج ہے۔ ملاحظہ ہو نظرات فی القرآن طبع دوم مصر، صفحہ: ۹۲۵۸

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ان حضرات کا یہ کہنا ''بالکلیہ صحیح'' نہیں ہے کہ سورۃ الحج (جس میں آیت تمکین ہے) سورۃ النور (جس میں آیت استخلاف ہے) سے ''بہت پہلے'' نازل ہوئی ہے بلکہ الٹا سورۃ الحج کا سورۃ النور کے بعد نازل ہونا بھی قوی دلائل سے ثابت ہوگیا ہے۔ یہ حضرات سورۃ النور، سورۃ الحج اور سورۃ النصر کی نزولی ترتیب کی بحث میں اس بات کو بھی لائے ہیں کہ:

''جمہور کا قول یہ ہے کہ حج ۶ھ میں فرض ہوا ہے۔''

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں کہ:

''حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق ۹ھ میں آیا ہے اور اس کے اگلے سال ۱۰ھ میں اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے رسول اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ (معارف الحدیث جلد ۴، صفحہ: ۱۸۸)

محققین کے نزدیک حج کی فرضیت کا حکم ہجرت کے نویں سال میں آیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۹۷ جس سے حج کی فرضیت کا استدلال کیا جاتا ہے (غزوہ احد کے سال ۳ھ میں نہیں بلکہ) ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی۔

حج کا ہجرت کے نویں سال میں فرض ہونا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ اگر وہ ۳ھ، ۵ھ یا ۶ھ میں فرض ہوا ہوتا تو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ (جو اشہرالحج میں سے ہے) ٦ھ میں تقریباً چودہ سوصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر اس عمرہ کے لیے روانہ، نہ ہوتے جو تاریخ میں عمرہ حدیبیہ کے نام سے موسوم ہے بلکہ حج کے لیے روانہ ہوتے اور پھر مشرکین کی مزاحمت کی وجہ سے یہ عمرہ ادا نہ ہوسکنے اور صلح ہوجانے پر حسب معاہدہ آئندہ سال ذوالقعدہ ٧ھ میں جا کر اس عمرہ کی ہی قضا ادا نہ کرتے بلکہ صلح نامہ میں مکّہ مکرّمہ میں تین دن قیام کے بجائے ایام الحج تک قیام کی شرط درج کروا کر حج وعمرہ دونوں کی قضا ادا کرتے۔

مکّہ معظّمہ رمضان ٨ھ میں فتح ہوا تھا۔اب تو فرضیتِ حج کے حکم کی تعمیل میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی لیکن پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکّہ مکرّمہ کے گردونواح اور اشہرالحج میں قیام فرمانے کے باوجود حج ادا نہیں کیا بلکہ اس کے برخلاف اسی ٨ھ کے ذوالقعدہ کے مہینے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا اور حج ادا کیے بغیر مدینہ منوّرہ روانہ ہوگئے تھے۔حالانکہ فتح مکّہ کے بعد تو کوئی چیز بھی مانع ورکاوٹ نہ تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ٨ھ کے اختتام تک بھی حج فرض نہیں ہوا تھا ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس فرض کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرتے لہٰذا محققین کا یہ قول ہی کہ حج ٩ھ میں فرض ہوا زیادہ قرین قیاس ہے۔پھر نویں سال حج کی فرضیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حج کے لیے تشریف لے جانا چاہتے تھے لیکن اس لیے تشریف نہیں لے گئے کہ مشرکین بھی حسب عادت شریک ہوں گے اور دیگر خرافات کی طرح برہنہ طواف کریں گے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت وسیادت میں روانہ فرما کر اسلام کی تاریخ میں پہلا فرض حج سنّت ابراہیمی اور اسلامی طریقہ کے مطابق ادا کروایا۔

اسی موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق یہ اعلان بھی کیا گیا کہ:

''کوئی شخص بیت اللہ کا عریاں طواف نہیں کرے گا بلکہ آئندہ سال سے کسی مشرک کو بیت اللہ کے حج کی ہی اجازت نہیں ہوگی۔'' (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب مایستر من العورۃ۔صحیح مسلم، کتاب الحج باب لایحج البیت المشرک)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف کا مصداق نہ قرار دینے والا ایک مخصوص ٹولہ یا طبقہ چھٹے سال میں حج کی فرضیت کے قول سے یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ سورۃ الحج صلح حدیبیہ سے پہلے نازل ہوچکی تھی پھر ٥ھ یا ٦ھ کے نصف آخر میں غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر سورۃ النور نازل ہوئی جس میں وعدہ استخلاف کا مصداق ان مہاجرین اوّلین کو قرار دیا گیا جن کا ذکر سورۃ الحج کی آیت تمکین میں کیا گیا تھا۔اسی لیے اس طبقہ نے واضح طور پر یہ اعلان کیا ہے کہ:

''آیت استخلاف سورۃ النور کی ہے اور سورۃ النور ٥ھ یا ٦ھ نصف آخر میں نازل ہوئی ہے، صلح حدیبیہ سے پہلے۔لہٰذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی تسلیم کیا جائے تو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے مصداق نہیں بن سکتے۔'' یہ اعلان محض ''سینہ زوری'' ہے۔علیٰ سبیل التنزل اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف کا مصداق نہ بھی تسلیم کیا جائے تو پھر بھی انہیں کسی طور پر اور کسی بھی دلیل سے زمرۂ خلفائے راشدین سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔زیادہ سے زیادہ ان کے دور پر آیت استخلاف کی روشنی میں ''خلافتِ راشدہ موعودہ'' کا اطلاق نہیں ہوگا لیکن ''اُولٓــئک

ھم الرّاشدون“ کی روشنی میں ہر مومن بالقرآن کم از کم انہیں ضرور بالضرور خلیفہ راشد تسلیم کرے گا۔

ویسے حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح آیت اظہار دین، آیت الراشدون اور آیت تمکین کے مصداق ہیں اسی طرح بلکہ مقاصدِ خلافت کے حصول کے اعتبار سے اس سے بھی بڑھ کر آپ آیت استخلاف کے مصداق ہیں اور اس ضمن میں ماضی کے صیغے ”وَعدَ، اٰمنوا، عَمِلُوا“ اور ”مِنکُمْ“ میں مخاطب کی ضمیر بالکل مانع ورکاوٹ نہیں ہے۔

اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نزول آیت کے وقت مشرف بہ اسلام نہیں بھی ہوئے تھے تو پھر بھی وہ ”منکم“ کے مخاطبین میں اس اعتبار سے یقیناً شامل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نزول آیت کے وقت موجود تمام انسانوں (کافر ومنافق) کو مخاطب کر کے ان میں سے جو ایمان وعملِ صالح کی صفات سے متصف ہو چکے ہیں یا آئندہ ہوں گے ان سے استخلاف فی الارض کا وعدہ کیا ہے۔ امامِ اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کا بھی یہی موقف ہے جس کا حوالہ زیرِ نظر مضمون کے بالکل آغاز میں گزر چکا ہے۔

جہاں تک آیت استخلاف میں ماضی کے صیغوں اور ”منکم“ کی ضمیر کا تعلق ہے تو اس سے متعلق بحث تیسری اور آخری قسط میں ملاحظہ فرمائیں۔ (جاری ہے)

ماہانہ مجلس ذکرواصلاحی بیان
24 نومبر 2011ء
جمعرات بعد نماز مغرب
ابن امیر شریعت
حضرت پیرجی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

شہیدِ مدینہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

شہیدِ حق جو ہیں، ان کا ماتم کبھی کیا ہے نہ ہم کریں گے
وہ لوگ محسن ہیں، اُن پہ ہرگز کبھی نہ ایسا ستم کریں گے

نبی کے داماد اور صحابی ، نبی کے برحق سِوُم خلیفہ
جبیں عقیدت کی اُن کے در پر بڑی محبت سے خم کریں گے

شہیدِ حق نے ہی خوب سمجھا تھا رازِ الفت ، مقامِ الفت
ہم اُن کی عزت پہ مرنے مٹنے کا کچھ ذرا بھی نہ غم کریں گے

نبی نے اُن کو یہ کی وصیّت اتارنا مت قمیص و خِلعت
بھرم خلافت کا رکھنا قائم کہ خود ہی مالک کرم کریں گے

شہیدِ حق پر خدا کی رحمت ، ادا کیا حقِّ جانشینی
ہم اُس جیالے غنی کے قرباں تمام جاہ و حشم کریں گے

ہوئے وہ امّت کے حق پہ قرباں، کسی کا موروثی حق نہ سمجھا
نمازِ الفت میں اپنا کعبہ اُنھی کا نقشِ قدم کریں گے

شہیدِ حق کا مقام سمجھا تو خود کو اُن کا غلام سمجھا
اُنھی کو اپنا امام سمجھا ، اُنھی کا اُونچا علم کریں گے

وفا شِعاری حلالیوں کا نشانِ ایثار بن چکا ہے
خدا سے وعدہ کیا ہے، پورا اُسے خدا کی قسم کریں گے

نظمِ عثمانی

شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ

جمعے کا دن ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی کے منبر کی طرف بڑھتے اور اس کی ایک سیڑھی پر بیٹھ جاتے۔ موقع جمعے کے خطبے کا ہوتا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کھڑے نہ ہوتے بلکہ خاموش بیٹھے انتظار کرتے رہتے۔ اتنے میں مسجد کے کسی گوشے میں کوئی اٹھ کھڑا ہوتا۔ اپنی کوئی مشکل امیر المؤمنین سے بیان کرتا۔ وہ اس کا حل ڈھونڈتے، اسے مشورہ دیتے۔ کسی کارروائی کی ضرورت ہوتی تو بحیثیت سربراہِ حکومت خود اس کا وعدہ کر لیتے۔ اسلامی مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کے اقتدار کو نافذ کرنے والا اس کا وہ بندہ جو سربراہِ مملکت ہو ہمہ وقت ملّت کا خدمت گزار ہے۔ ایسا خدمت گزار جو دوسروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔

مسجدِ نبوی کی حیثیت مسلمانوں کے پارلیمنٹ ہاؤس کی تھی۔ جمعہ کا خطبہ کیا ہوتا پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا۔ اس لیے ذاتی معاملات جن میں حکومت کی توجہ کی ضرورت ہوتی ان کے علاوہ عام شکایات بھی اس موقع پر پیش ہوتیں کہ...... فلاں حاکم نے یہ زیادتی کی! فلاں عامل یعنی کمشنر یا ڈپٹی کمشنر یا گورنر کا رویہ عوام کے ساتھ یوں رہا!

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ...... امیر المؤمنین منبر کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہر ایک کی بات سنتے اور جس بات کا نوٹس لینا ہوتا فوری نوٹس لیتے۔ اس لیے کہ ایک تو خود انھیں خدا کا خوف ہوتا دوسرے رائے عامہ جاگتی ہوتی اور عوام امانت و دیانت کے ساتھ ملک وملّت کے بھلے کی باتیں سوچتے اور اگر نظم ونسق میں کوئی جھول ہوتا تو خلیفۂ وقت کو فوراً ٹوک دیتے۔ لیکن یاد رکھیے یہ کام وہی کر سکتا ہے جو کھوکھلا نعرے باز نہ ہو بلکہ اپنے اعمال پر بھی اسی طرح نظر رکھتا ہو جیسے وہ دوسروں کی گرفت کرتا ہے۔

لوگ دور دور سے مدینۃ النبی جاتے تھے۔ کچھ اس لیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کی زیارت کریں۔ کچھ اس لیے کہ یہ حکومت کا صدر مقام تھا۔ یہاں اہم انتظامی کاموں کا فیصلہ ہوتا۔ یہ سب حضرات جمعہ کی نماز کے وقت پابندی سے مسجدِ نبوی میں جمع ہوتے۔ اس لیے کہ جمعہ کی اہمیت کو وہ خوب سمجھتے تھے۔ جمعہ آرام یا پک نِک کا دن نہیں، جمعہ کی نماز کے لیے تیاری کا دن ہے۔ اس کی اہمیت عید کے دن سے بھی زیادہ ہے۔ جو جمعہ کی نماز کی طرف سے غافل رہتا ہے وہ راندۂ درگاہ اور بدنصیب ہوتا ہے۔

ان لوگوں سے جو جمعہ کی نماز میں مدینے کے باہر سے آ کر شریک ہوتے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاص طور پر ان سے

ان کے علاقے کے حالات پوچھتے۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں یہ حالات بیان ہوتے، اس طرح ملک کے گوشے گوشے کے حالات سے وہ باخبر رہتے۔ اپنے عہدہ داروں اور سرکاری ملازموں کی نگرانی میں ان کا بھی وہی حال تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا۔

طبری میں ہے حج کا موقع ہوتا تو تمام صوبوں کے حاکموں کو جمع کرتے، ان کا احتساب کرتے۔ کوئی اس موقع پر کسی گورنر یا کمشنر کی شکایت کرتا تو فوراً تحقیق کرتے اور جائز شکایت ہوتی تو اس اس کا ازالہ کرتے۔ ویسے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے بردبار بڑے متحمل انسان تھے، مگر بات جہاں تک ملّت کے مسائل کی ہوتی تو وہ بڑے سخت تھے۔ اسلامی تاریخ کو جن لوگوں نے مسخ کیا انھوں نے حضرت عثمان کی انتظامی خوبیوں کو بھی کمزور بنا کر پروپیگنڈا کیا ہے مگر تاریخ کا غیر جانبدار مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ ملّت کے معاملات میں کھرے اور نظم ونسق میں پکے تھے۔ خلفائے راشدین میں سب سے بڑی اسلامی مملکت کا کاروبار چلانے والے وہی تھے۔ وہ بڑے سے بڑے آدمی کو اس کی غلطی پر ٹوکتے اور اس کا احتساب کرتے۔ کس لیے کہ...... اگر بڑے بڑے لوگ قانون، اصول اور ضابطوں کی پابندی نہ کریں تو پھر انصاف بھی ممکن نہیں اور امن و امان بھی ممکن نہیں۔ حضرت سعد بن وقاص، حضرت عمرو بن عاص، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ولید بن عتبہ رضی اللہ عنہم بڑے بڑے گورنر تھے۔ موقع آیا تو امیر المؤمنین نے ان کی گرفت کی اور ان کے خلاف سخت کارروائیاں کیں۔ جسے مناسب سمجھا معزول کر دیا۔ فوج اور انتظامیہ کو الگ رکھا۔

تاریخ طبری ہی میں ہے کہ..... سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عُمّال کے احتساب کے لیے ایک اعلیٰ اختیارات کا ٹریبونل بنایا تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم اس کے ارکان تھے۔ جہاں سے، جس صوبے، جس گوشے سے شکایت آتی انھیں وہاں بھیج دیا جاتا۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جسے ملّت کا مفاد عزیز ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اچھے ایڈمنسٹریٹر تھے لیکن جابر حکمران نہیں تھے۔ (ماخوذ ''تجلّی'')

☆☆☆

سیّد عطاء المحسن بخاریؒ......اک ضرب یداللّٰہی

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

بارہ سال قبل ۳ رشعبان المعظم ۱۴۲۰ھ، مطابق ۱۲ رنومبر ۱۹۹۹ء بروز جمعۃ المبارک امیر مجلس احرار اسلام ابن امیر شریعت، پیکرِ جرأت وحمیّت اور شفیق مکرّم سید عطاء المحسن بخاری بعمر ۶۳ برس رحلت فرما گئے تھے۔

''شاہ جی'' کی جامع اوصاف اور ہمہ گیر شخصیت گونا گوں کمالات کا مجموعہ تھی۔ وہ ایک پختہ حافظِ قرآن، مستند قاری، جیّد عالم دین، محقق، وسیع المطالعہ، ماہرِ تاریخ، قدیم وجدید علوم پر عمیق نظر رکھنے والے نابغۂ روزگار دانشور، اپنی طرز کے منفرد ادیب وشاعر، غیّور وخوددار صحافی، ممتاز کالم نگار، دینِ حق کے نہایت ہی جری، پُر جوش وبے باک مبلّغ وداعی اور بلند پایہ خطیب تھے۔

علاوہ ازیں موصوف کے آئینۂ اخلاق میں زہد وعبادت، امانت ودیانت، اخلاص وخشیّت، اصابتِ رائے، اتباعِ سنّت، جوشِ قبولِ حق، انکسار وعاجزی، تواضع وفیّاضی، عفوودرگزر، ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' اور ''حلم وانا ۃ'' کی صفات کا عکس نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

مؤخر الذّکر صفت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''اِنَّ فِیْکَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ الْحِلْمُ وَ الْاَنَاۃُ'' (صحیح مسلم شریف)

آپ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں یہ تحمّل اور صبر ہیں۔

''حِلم'' سے مراد وہ بردباری اور تحمّل ہے جس میں عقل وفراست بھی شامل ہو جب کہ ''اناۃ'' ایک وسیع المعانی لفظ ہے اس میں صبر وسکون اور وقار وتحمّل کی خوبیاں شامل ہوتی ہیں۔ یہ دونوں خوبیاں جس میں پائی جائیں وہ نرمی و شفقت کا پیکر ہوتا ہے۔ بڑے مصائب کے سامنے کوہِ گراں اور صبر واستقلال کا مجسمہ ہوتا ہے۔

نیز یہ صفات اسے غیظ وغضب سے محفوظ رکھتی ہیں۔ ایسا شخص خفّت اور جلد بازی کا شکار نہیں ہوتا اور اسے قلبی سکون اور ذہنی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ الحمد للہ شاہ جی کو مذکورہ صفات میں سے وافر حصہ ملا ہے۔

موصوف کی زندگی کی سب سے نمایاں خصوصیت سراپا مقصدیت اور اس کے مطابق مشغولیت تھی اور اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی خاص بندہ پر یہ خاص الخاص فضل ہوتا ہے کہ اسے کسی اچھے اور بڑے کام کی صلاحیت بخشی جائے پھر اس کام کی لگن اس کے دل میں لگا کر اس میں اس کو مشغول بھی کردیا جائے۔

شاہ جی کی تربیت، خاندانی ماحول اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ان کی عظیم جدّوجہد سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت ان کی رفیق تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی حد درجہ انہماک ومشغولیت اور مجاہدہ وریاضت کی زندگی تھی۔

وہ جس راستے پر چلنے کو حق سمجھ لیتے پھر کسی کا بات سننا یا نہ سننا، ماننا یا نہ ماننا، کسی کا ساتھ دینا یا نہ دینا، کسی کی رضا مندی یا ناراضگی، کسی کی تسکین یا ملامت حتیٰ کہ کوئی زلزلہ یا طوفان بھی ان کے پائے استقامت میں کوئی لرزش نہیں ڈال سکتا تھا۔

کفر و ضلالت، الحاد و دہریت، سبائیت و قادیانیت، اعدائے صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم، اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''نادان مخالفین'' کے خلاف ہر محاذ پر ''صورتاً و حقیقتاً'' شدید ترین مزاحمت ہی ان کا مشن و مسلک تھا۔ وہ ''الحبّ للہ'' اور ''البغض للہ'' پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے۔ صدائے اسلام کے ساتھ اس طرزِ عمل اور مزاحمت نے انہیں ''وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً'' (التوبہ:۱۲۳) کا بھی مصداق بنا دیا تھا۔ یعنی مخالفین اسلام اور اعدائے صحابہ رضی اللہ عنہم تمہارے طرزِ عمل سے محسوس کر لیں کہ تمہارے اندر ان کے لیے موالات، دوستی اور محبت کی کوئی جگہ باقی نہیں رہ گئی بلکہ جس طرح وہ من حیث القوم تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن ہیں اسی طرح تم بھی من حیث الجماعت ان کے اور ان کے دین کے دشمن بنو۔ اب تک وہ تمہارے دل میں اپنے لیے بڑا نرم گوشہ پاتے تھے اس وجہ سے ان کو توقع تھی کہ وا پنے مقاصد کے لیے تم کو برابر استعمال کرتے رہیں گے اب یہ حالت یکسر ختم ہونی چاہیے۔

شاہ جی کے مخالفین ان کی تقریر و تحریر سے جان گئے تھے کہ ان کے دل میں ان کے لیے محبت و مودت یا نرم گوشہ نہیں بلکہ فرمانِ الٰہی کے تحت ان کے دل میں غلظت اور سختی پائی جاتی ہے۔ والفضل ما شهدت به الاعداء.

اس مقصد کے حصول اور اپنے مشن کو عام کرنے کے لیے ''شاہ جی'' نے ابلاغ کے دونوں ذرائع یعنی تحریر و تقریر سے خوب کام لیا ہے۔ تحریر کا حلقۂ اثر محدود و مخصوص لیکن مستقل اور دائمی ہے جس سے صرف ''خواندہ'' طبقہ ہی مستفید ہو سکتا ہے۔ مگر ''قلم'' زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم و فنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں جنم لینے والے اولوالعزم حکماء و فضلاء کے افکار و نظریات کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچاتا ہے۔

تعلیم اور تبلیغ بالقلم اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ہے۔ اسی لیے اس کی جلالتِ شان کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی گئی بلکہ ''وَمَا يَسْطُرُونَ'' فرما کر علم کے ان جواہر پاروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس کی زینت بنتے ہیں۔

شاہ جی نے اپنا مشن قارئین تک پہنچانے کے لیے ''قلم'' جیسے بڑے اور مؤثر ہتھیار سے بھی خوب کام لیا ہے۔ روزنامہ ''خبریں'' اور ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان کے قارئین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ روزنامہ ''خبریں'' کے چیف ایڈیٹر ضیاء شاہد صاحب موصوف کی کالم نگاری کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''سید عطاء المحسن بخاری ایک مکمل کالم نگار تھے۔ زبان، لغت، اصطلاحات، روزمرّہ محاورے، ضرب الامثال، سلاست اور روانی میں جو کمانڈ انہیں حاصل تھی وہ میں نے کسی اور کالم نگار میں نہیں دیکھی۔ وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار پوری جرأت کے ساتھ کرتے تھے۔ انہوں نے کالم نگاری کو بطور پیشہ کے نہیں بلکہ بطور مشن کے اختیار کیا تھا۔ وہ ایک عرصے تک ''خبریں'' کے لیے بلا معاوضہ لکھتے رہے۔ وہ اپنے فکر و نظریہ اور مؤقف کے ساتھ بہت مخلص تھے۔'' (ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان۔ نومبر ۲۰۰۸ء، صفحہ:۵۲)

علاوہ ازیں ان کے قلم سے ''دین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور حیثیت، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' اور دیگر متعدد چھوٹی بڑی تالیفات اور مقالات نکلے جن میں سے بعض کو ''بخاری اکیڈمی'' دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان نے

کتابی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔

جہاں تک ابلاغ کے دوسرے ذریعے ''تقریر وخطابت'' کا تعلق ہے تو اس میں تو انہیں موروثی ملکہ حاصل تھا۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ تقریر کا دائرہ انتہائی وسیع اور عمومی ہے لیکن خاص وقت اور ماحول سے مشروط ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مؤثر اور فیصلہ کن ذریعہ اظہار ہے جس سے ہر خاص وعام فیض یاب ہوتا ہے۔

شاہ جی فنِ خطابت کے تیور شناس تھے۔ ان کی خطابت میں بلا کی تاثیر تھی۔ ان کا انداز بیاں بلاشبہ اس حکمِ الٰہی کی تعمیل تھا کہ:

''وَ قُلْ لَهُمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ قَوْلاً بَلِيْغاً. ان سے ایسے انداز میں باتیں کریں جو ان کے دل میں اتر جائیں۔ (النساء:۶۳)

خطابت میں کلمۂ حق کا اظہار ان کا طرّہ امتیاز تھا جب کہ دورانِ تقریر ان کی مسحور کن تلاوت قرآن اس پر مستزاد ہے۔ مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شاہ جی کو ہر شعبے میں دین کے دفاع اور اس کے ابلاغ کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے تحریر وتقریر کے ذریعے باطل فرقوں اور اسلام دشمن قوتوں بالخصوص انتہا پسند سیکولرسٹوں، لبرل فاشسٹوں، قادیانیوں، سبائیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمنوں کو ہر میدان میں تسلسل کے ساتھ للکارا۔

ان کی تقریر میں نمایاں طور پر ''جمال وجلال'' کا حسین امتزاج محسوس ہوتا تھا۔ دورانِ تقریر حسب موقع چہرہ پر آثار جلال اور ایسا جوش ظاہر ہوتا تھا جس سے معلوم ہوتا کہ کوئی جرنیل اپنی فوج کو خطاب کر رہا ہے۔

میں ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۲ء جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں زیر تعلیم رہا ہوں۔ اس دوران میں متعدد مرتبہ ایک عام سامع کی حیثیت سے جانشین امیر شریعتؒ مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ اور مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ کی تقاریر سننے کا اتفاق ہوا لیکن سب سے پہلی ملاقات ۱۹۷۲ء میں ''بخاری اکیڈمی'' ملتان میں ہوئی۔

مجھے کسی کام کے سلسلہ میں ملتان جانا پڑا وہیں حضرت امیر شریعتؒ کی قبر کی زیارت کا داعیہ پیدا ہوا تو میں مقامی ساتھی کی معیّت میں ''جلال باقری'' قبرستان پہنچ گیا تو وہاں ایک چار دیواری کے باہر لکھا ہوا تھا: ''خطیبِ ملّت، بطلِ حُرّیت امیرِ شریعتؒ کی آخری آرام گاہ'' اندر بالکل کچی قبر تھی۔ دعا کے بعد واپسی پر راستے میں کچہری روڈ پر کتابوں کی ایک دکان (جو بخاری اکیڈمی سے موسوم تھی) میں شاہ جی سے مفصل ملاقات ہوئی۔ پھر اس کے بعد طویل عرصہ تک تعطّل رہا۔

۱۹۸۵ء میں حویلیاں کے ایک بریلوی نما رافضی پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی نے اپنی تقاریر میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ باغی، طاغی، ظالم، منافق اور کافر کہنا شروع کیا تو اس کے خلاف A-۲۹۸ کے تحت ایک مقدمہ ۸ سال (۱۹۸۵ء۔۱۹۹۲ء) تک ایبٹ آباد کی مختلف عدالتوں میں زیر سماعت رہا جو بالآخر ''مجرم'' (ملزم) کی موت کی وجہ سے داخل دفتر ہوگیا۔ مذکورہ مقدمہ کی طویل پیروی کے دوران ملزم کی طرف سے میرے خلاف ترہیب وتخویف کا ہر حربہ استعمال کیا گیا نیز ایبٹ آباد، کوہاٹ اور کراچی کی عدالتوں میں بہت سے جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات قائم کیے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور ثابت قدمی کی عظیم نعمت سے نوازتے ہوئے آٹھ برس تک مختلف عدالتوں میں اس جلیل القدر اور مظلوم صحابی کے دفاع کی توفیق عنایت فرمائی۔

حضرت شاہ جی کو میں نے اس صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے بہت ہی ہمت افزائی فرمائی۔ چنانچہ وہ

میرے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے سلسلہ میں آپ جن مشکلات سے دوچار ہیں یہی بات اہل حق کا ورثہ ہے۔ آپ نے یہ وراثت سنبھال لی ہے۔ اللہ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور آپ کی حفاظت ونصرت فرمائے۔ آمین

اپنی کامیابی کے لیے سات دن روزانہ ۴۱ مرتبہ سورۃ یٰسین شریف کا ختم کرائیں یقیناً اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی اور دشمن خائب وخاسر ہوگا۔'' اس کے بعد تا دمِ واپسیں ہمیشہ مجھے ان کی سرپرستی حاصل رہی۔

موصوف نے میری کتاب ''اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟'' کی تقریب رونمائی میں ۱۸؍دسمبر ۱۹۹۴ء کو بمعیت برادرِ محترم جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری اور مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹیؒ علالت کے باوجود طویل سفری صعوبتیں برداشت کر کے بحیثیت مہمان خصوصی شرکت فرمائی۔ ملاحظہ ہو (ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' ملتان۔ جنوری ۱۹۹۵ء، صفحہ: ۲۵۔۲۶)

موصوف نے میری کتاب ''فرقہ مسعودیہ...... نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ'' پر حمیّت دینی سے بھرپور جامع تبصرہ ازخود فرمایا۔ مسعود احمد امیر جماعت المسلمین کا ایک اقتباس نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

''پڑھیئے اور اپنے دائیں بائیں پھیلے ہوئی کروڑوں دین کا کام کرنے والے مسلمانوں سے جدا کرنے کی اس تہذیبی یلغار کی خوبیوں پر عش عش کیجئے اور اس غبن فاحش کی داد دیجئے کہ یہی وہ پیرایہ بیان ہے جو ''دجل'' کی زد میں آتا ہے۔ اسی کو دجل کہتے ہیں جو حقیقت کے چہرے غبار سے اٹ دے یا شفاف پانی میں طین گھول کے اس کے حسن کو کجلا دے، گدلا دے اور اس کے بعد مسعود احمد صاحب اُمّت کے تمام افرادِ کار کو کافر، بے ایمان، جاہل، فرقہ باز اور نہ جانے اس قارونِ لغت نے اپنی پاکستانی لغت کا کون کون سا لفظ ہے جو چپکانے کی کوشش نہیں کی۔ اصلاح اُمّت کا دعویٰ لے کر اٹھے اور پوری اُمّت کو گمراہی اور کھلی گمراہی میں دھنسی ہوئی قرار دیا۔

حضرت قاضی محمد طاہر الہاشمی زید فضلہ وعلمہ پوری اُمّت مسلمہ کی طرف سے مبارک باد کے مستحق اور شکریہ کے لائق ہیں جنہوں نے اس نام نہاد ''جماعت المسلمین'' کا علمی محاسبہ اور تعاقب کر کے پوری اُمّت پر واضح کیا کہ یہ جماعت، جماعت المسلمین نہیں بلکہ جماعت المسلمین کو کافر، ملحد، زندیق کہنے والی جدید ''جماعت الکافرین'' ہے۔ مرزائیوں، سبائیوں کے بعد اس جماعت الکافرین کا درجہ ہے......

میں صمیم قلب سے قاضی صاحب کا شکرگزار ہوں جنہوں نے اس زنگی کو کافور کہنے کی بجائے ایمان ویقین سے بہت دور ثابت کیا اور ہم ایسوں کو اس کفر ساز ادارے کے کافرگروں کے فسوں سے محفوظ کیا اور اس دجّالی فتنہ کے چہرے سے نقاب سرکایا ہے۔ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب سے راضی ہو اور اس سے بہتر خدمت سرانجام دینے کی طاقت وتوفیق عطا فرمائے آمین۔'' (ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' ملتان۔ جون ۱۹۹۶ء، صفحہ: ۵۴۔۵۵)

۱۹۹۸ء میں مولانا محمد اسلم شیخوپوری کی زیرادارت ماہنامہ الاشرف کا ''قرآن نمبر'' شائع ہوا جس پر ماہنامہ نقیب ختم نبوت دسمبر ۱۹۹۸ء کے شمارے میں تائیدی وتحسینی تبصرہ شائع ہوا۔

یہ تبصرہ پڑھ کر میں نے شاہ جی کو خط لکھا کہ اس نمبر میں ڈاکٹر سید رضوان ندوی صاحب کا بھی ایک مضمون شامل

ہے جنھوں نے صفحہ: ۱۱۷ تا ۱۳۸ یعنی ۲۲ صفحات پر پھیلے ہوئے اس مضمون میں جا بجا صحابہ رضی اللہ عنہم کی شدید ترین توہین کی ہے تو شاہ جی اپنے جوابی مکتوب میں فرمایا:

''آپ کا مؤقر گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ میری بے خبری میں یہ سب کچھ ہوا محمد کفیل سلمہ بھی سفر پر چلے گئے۔ میری بادیہ پیمائی اس بے چارے کے حصے میں آئی ہے اس لیے بھائی حبیب الرحمٰن صاحب (فاضل مبصّر و معاون مدیر ماہنامہ نقیبِ ختم نبوت) کی سرسری نظر ''قرآن'' پر جم گئی اور قرآن کریم کے فضائل و مناقب کے علاوہ کہیں نہ گھوم سکی۔ میں عنقریب نشان زد صفحات اور دیگر مرکبات کا مشاہدہ کر کے تھوڑی بہت خدمت کروں گا۔ جن اسلاف کا ذکر حسرت آپ نے کیا ہے وہ تو مشترکہ غم ہے۔ مجھ جیسا کوچہ گرد بھلا اس منصب کے لائق کہاں ''تاہم گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است۔''

امید ہے آپ کا حلقۂ احباب، اعزہ تمام خیر و عافیت سے ہوں گے۔ فقیر کا سب کو سلام پہنچے۔''

بعد میں شاہ جی نے ڈاکٹر رضوان ندوی کے مضمون کے جواب کی ذمہ داری بھی مجھ پر ڈال دی۔ چنانچہ میں نے ان کے حکم کی تعمیل میں ۱۹ صفحات پر مشتمل مفصل و مدلّل جواب لکھا جسے محترم بھائی جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری نے کمال مہربانی سے نقیبِ ختم نبوت مارچ ۱۹۹۹ء کے شمارے میں از صفحہ: ۲۸ تا ۴۶۔ ایک ہی قسط میں شائع کر دیا۔

جب میرا یہ مضمون مولانا محمد اسلیم شیخوپوری صاحب کی نظروں سے گزرا تو انہوں نے اپنے تأثرات مجھے براہِ راست خط میں بھیجنے کے بجائے بہ عنوان ''اعتذار'' مدیر نقیب ختم نبوت کو برائے اشاعت ارسال کر دیے جسے جولائی ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں صفحہ: ۶۰۔ ۶۱ پر شائع کر دیا گیا۔ یقیناً یہ ''اعتذار'' مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب کی اخلاقی جرأت ہی کی نہیں بلکہ ان کے علم و فضل، زہد و ورع، خوف و خشیّت اور تقویٰ و طہارت اور سب سے بڑھ کر ان کی ''ایمانی صلابت'' کی عظیم دلیل ہے۔ اس ''اعتذار'' میں موصوف نے مجھے براہ راست مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ:

''ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کے ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ کے شمارہ میں آپ کا مضمون ''تردیدِ اصلاحی یا توہینِ صحابی'' پڑھا۔ میں آپ کے جذبات و احساسات کی قدر کرتا ہوں اور مضمون کے مندرجات سے متفق ہوں۔ واقعتاً ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب نے اپنے مقالہ میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ ہمارے اکابر کے عقائد اور تاریخی حقائق کے منافی ہیں۔''

شاہ جی نے میری دو کتابوں ''تذکرۂ خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' اور ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' پر جاندار اور زوردار مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔

تذکرۂ خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب طبع ہو کر آئی تو ان دنوں شاہ جی چناب نگر (ربوہ) میں سالانہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس کے اہتمام میں مصروف تھے۔ مجھے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ۱۰ راگست ۱۹۹۵ء، ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ کو اس پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ وہیں میں نے کتاب شاہ جی کی خدمت میں پیش کی۔ کتاب دیکھ کر ان کی خوشی دیدنی تھی، بہت دعاؤں سے نوازا۔ جب میں نے کتاب کی تقریب رونمائی میں شرکت کی دعوت دی تو بلا تأمل فرمایا:

''انشاء اللہ ضرور شریک ہوں گا۔ یہ بات بطورِ تحدیثِ نعمت کہتا ہوں اور اس میں کوئی تعلّی و تکبر نہیں ہے۔ ملک میں

اس مظلوم صحابی کے دفاع کی تحریک ہم نے ہی شروع کی ہے۔ ہم نے ہی اس ملک میں سب سے پہلے ''یومِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' منانے کی داغ بیل ڈالی۔ میں نے ہی پہلی مرتبہ (۱۷؍رجب المرجب ۱۳۸۱ھ، ۲۵؍دسمبر ۱۹۶۱ء کو) ملتان میں پہلے ''یومِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے تاریخی اجتماع کا انتظام و انصرام کیا تھا۔ جس میں بھائی جان (حضرت سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ) نے تاریخی خطاب فرمایا تھا۔ نتیجتاً پابندیاں عائد ہوئیں، جیل گئے۔ طعن و تشنیع کے تیر برسے، اپنوں و بیگانوں سے گالیاں کھائیں، ساتھیوں کو پٹوایا، گھروں پر گولیوں کی بارش ہوئی۔ آگ لگائی گئی، دس بارہ چوریاں ہوئیں، قاتلانہ حملے ہوئے، ہم مسلک حلقوں نے مکمل سماجی بائیکاٹ کیا۔ یہ سب کچھ تو ہماری وجہ سے ہوا لہٰذا اس کتاب کی تقریب رونمائی میں کوئی مانع پیش نہ آ گیا تو ضرور شرکت کروں گا۔''

لیکن جوں ہی تقریب کے انعقاد کی تاریخ (۶؍ستمبر ۱۹۹۵ء) قریب آئی موصوف بوجہ علالت طویل سفر اختیار نہ فرما سکے تو تقریب کے لیے اپنا تحریری مضمون جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری کے توسط سے بھجوایا جسے انہوں نے اپنے صدارتی خطبہ کے طور پر تقریب رونمائی میں پڑھ کر سنایا۔ بعد میں مدیر نقیب ختم نبوت نے اسی پس منظر اور تعارف کے ساتھ افادۂ عام کی غرض سے بہ عنوان: ''چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر...... تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عین حق اور معیارِ حق ہیں۔'' نقیب ختم نبوت کے اوراق کی زینت بنایا۔ شاہ جی اس مضمون میں فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے مذہبی و مسلکی معاشرے کا عام رجحان یہ ہے کہ دیوبندی علما، بریلوی علما، غیر مقلد علما اپنی اپنی تحقیقات میں اور اپنی اپنی ترجیحات میں جو لکھ دیں جو کہہ دیں وہ مستند و معتبر ہے اور اگر ان کی اس رائے سے اختلاف کیا جائے یا اس کو غلط کہہ دیا جائے تو الزام لگا دیا جاتا ہے کہ یہ شخص بزرگوں کا گستاخ ہے اور یہ تہمت لگانے والے خصوصاً وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو موحّد، یگانۂ عصر اور یکتائے روزگار کہتے اور منواتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اعلیٰ درجہ کے اسلاف پرست اور بزرگ پرست ہیں اور بزرگوں کا فکری بت بنا کر اس کی پرستش سے بھی باز نہیں آتے۔ عالم یہ ہے کہ اس بزرگ پرستی اور اسلاف پرستی میں ہمارے دیوبندی اور اہل حدیث بھائی، بریلوی بھائیوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں اور بزرگوں کے ایسے ایسے قصّے سناتے ہیں اور ایسی ایسی کرامات بتاتے ہیں کہ وہ ہندوؤں کے ڈپلیکیٹ دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض شخصیت سازی ہے اور شخصیت کا ایک ایسا دائرہ بنانے کی مذموم کوشش ہے جس میں معتقدین و متوسلین گھر کے رہ جائیں اور گھٹ کے مر جائیں اور یہی اس کاوشِ نامسعود کی منشا ہوتی ہے۔ حالانکہ عقائد، فرائض، واجبات، سنن یا دیگر دینی احکام کے علاوہ دین میں توسّع موجود ہے خصوصاً تاریخی روایات یا تاریخی آرا و قصص کے بارے میں۔

مثلاً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بزرگ پرستوں اور اسلاف پرستوں کے ترکشِ طعن و تشنیع کا کمزور سے کمزور تیر یہ ہے کہ:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشاجرات میں آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا ورنہ لاینحل عُقدہ ہے اس کو حل کیے بغیر اہل سنت والجماعت کا مؤقف نکھر کے سامنے نہیں آتا۔''

اس میں پھر بزرگوں اور اسلاف پرستوں کا آپس میں اختلاف ہے۔ خیالی بت پوجنے والا ایک گروہ کہتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف عنادی تھا۔''

دوسرا گروہ جو محض بزرگوں کی لکیر کا نابینا فقیر ہے کہتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف اجتہادی خطا ہے۔''

مزے کی بات یہ ہے کہ کہنے والے سب کے سب تقریباً عجمی ہیں۔ یہ نابینا بزرگ جس شخصیت گرامی کے اجتہاد کو خطا یا عناد کہتے ہیں وہ اللہ کے چنے ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں۔ اللہ کے رسول نے ان کا تزکیہ کیا، ان کے ظاہر و باطن کو اجالا، ان کی عدالت کی تصدیق کی، ان کو راشد و ہادی بنایا، ان کو مؤمن حقیقی کہا، ان کو مصلحین و فائزین کہا، ان کی آخرت پر اللہ کی رضا کی مہر لگا دی۔ اور جن لوگوں کو یہ معیار بناتے ہیں ان کی عاقبت کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔ ان کے دنیا کے اعمال تولے جائیں گے پھر فیصلہ ہوگا۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ بلند کے عوض تولے جائیں گے۔ پھر کون ہے جو آفتابِ رسالت کے ایسے ماہِ مبین کے سامنے نجم کے چراغ جلا سکے۔

دیوبندی علما یا بریلوی علما یا سلفی علما معیارِ حق نہیں بلکہ معیارِ حق تو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ سارے عجمی طبقے بتاتے، پڑھاتے یہی ہیں کیونکہ ان کا رزق اسی اظہارِ عقیدت سے وابستہ ہے مگر جونہی ان کی اس ژولیدہ فکر کی تردید کی جاتی ہے۔ ان عجمی سکّہ بند ڈبوں اور ڈبہ پیروں کو تنقید کی سان پر چڑھایا جاتا ہے تو یہ اعجام واسقام بزرگی دہائی ڈال دیتے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کیا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق سمجھ کے خلافت دی یا عنادی و خاطی سمجھ کے؟ ان کی خلیفہ رسول سمجھ کے بیعت کی یا بادشاہ سمجھ کے؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ واحد صحابی ہیں جن کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام طبقات نے بیعت کی۔ کیا انہوں نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو عنادی یا خاطی سمجھ کے بیعت کی؟ کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مطلق نہ تھے؟ کیا ان کے اجتہاد کے سامنے کسی عجمی غیر مجتہد کی بات کو معتبر و مستند مانا جائے گا؟ کیا یہ دیوبندی، بریلوی، غیر مقلّد مسلمان، بڑے یا چھوٹے کسی مرجوح القول صحابی کے مقابلے میں بھی معتبر و مستند ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ صحابی کے اجتہاد کے مقابلے میں ائمہ اربعہ کے اجتہاد کو بھی فوقیت دی جاسکتی ہے؟

تمہارے عجمی سازشی بزرگوں کی بات نہ مانی جائے تو بزرگوں کی گستاخی ہو جاتی ہے اور تم عجمی مریدین اور تمہارے عجمی بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد و اجماع سے روگردانی بھی کریں تو تمہارا کچھ نہیں بگڑتا، تمہارا ٹائٹل نہیں بدلتا؟ جو ہفوات تم عجمی لوگ کہتے ہو یہی کوئی اور لکھے تو وہ شیعہ، رافضی، ملحد، زندیق لیکن تم دیوبندی، بریلوی، سلفی جو چاہے کہتے لکھتے رہو تم پکّے اہل سنت والجماعت؟

''سنت'' تو ان کے رشد و ہدایت کو تسلیم کرنا ہے صرف سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ اللہ کا حکم ہے کہ ان کی اتباع کرو اور بغیر دلیل پوچھے اتباع کرو۔ تم یہ سب رویّے چھوڑ کر، سنت مبارکہ ترک کر کے پھر سنّی کے سنّی اور تابع دار سنّی؟ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت و مزاحمت کر کے پھر بھی اہل سنت والجماعت؟ واہ ری جماعت تیرا کیا کہنا؟

یاد رکھو! تم سنّیوں کے جتنے بھی طبقات شائستہ یا ناشائستہ ہیں تم تمام عنادی خاطی۔ تمہارے بزرگ گرگ باراں دیدہ عنادی و خاطی، باطل، فاسق، ضالّ اور مضلّ ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیعت کرنے والے تمام صحابہ و تابعین حق، بلکہ عینِ حق اور معیارِ حق ہیں۔

یہی ہمارا ایمان ہے۔ اس پر ہم سختی سے قائم ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہماری قرآنی شخصیات ہیں جب کہ تمہاری شخصیات عجمی، سازشی اور منحرف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غیر مشروط اتباع، احترام اور دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔'' آمین (ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' ملتان۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء، صفحہ: ۱۳۔۲۴، ۲۱)

موصوف اپنے ایک دوسرے مضمون ''اہل سنّت والجماعت کون؟'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''اہل سنّت والجماعت کا ٹائٹل اپنے سینہ پر سجا کے جو لوگ دشمنوں کی بولی بولتے ہیں۔ وہ کہتے، لکھتے اور اصرار کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیعت نہ کرنا ان کی ''خطائے اجتہادی'' ہے۔ اور یہ کہنے لکھنے والے تمام کے تمام غیر مجتہد ہیں۔ تنقید کرتے ہیں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مجتہدِ مطلق پر...... ایں چہ بوالعجبی است؟

نابینا، بینا پر نقد و جرح کرتا ہے، غیر مجتہد، مجتہد مطلق کے اجتہاد کو خطا کہتا ہے۔ میں ان نابینوں سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ علمائے عجم! آپ کسی عجمی سازش کا صید زبوں تو نہیں ہو گئے؟ جو اس قسم کے ''اول فول'' تک نوبت پہنچی ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خطا پر صلح کی؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک خاطی کی بیعت کی؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما ایک خطا کار کے پاس جایا کرتے تھے؟

سیدنا معاویہ رضی للہ عنہ و سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام طبقات جمع ہو گئے۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ''خطا کار'' پر اجماع کیا؟ اس سال کا نام عام الجماعت رکھا گیا۔ کیا یہ عام الجماعت خطا پر قائم ہوا تھا؟ اگر یہ تمام خطا پر جمع ہوئے تو کیا یہ عدل ہوا؟ تمام اہلِ سنّت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عدول ہونے پر متفق ہیں لہٰذا عدول پر الزام عائد کرنے والے غیر عادل ہوئے۔ غیر عادل، عادل پر تنقید کرے یہ کہاں کا اصول ہے؟ کیا یہ اصول اہل سنت نے وضع کیا ہے؟ پھر سوال ہوگا کیا اہل سنت صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کے لیے اصول وضع کرنے کے مجاز ہیں؟ اگر اہلِ سنّت اصول وضع کرنے کے مجاز ہیں تو دیگر غیر اہل سنّت مجاز کیوں نہیں، پھر تو ہر کہتر و مہتر کو اصول وضع کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا حق مل جاتا ہے اور یہی حق سید ابوالاعلیٰ مودودی نے استعمال کیا ہے تو اس پر چیخنے چلّانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اب خصوصاً بزعم خود نام نہاد دیوبندی علما بہت ہی زیادہ چیں بہ چیں ہیں تو کیوں؟ سید مودودی پر تنقید و جرح کو تو آپ کارِ ثواب سمجھیں اور آپ پر تنقید کی جائے تو گستاخی...... یہ دوہرا معیار، یہ آپ کے دو رُخ اسے عجمی سازش تو کہا جائے گا، حق نہیں...... اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں تو پھر آپ اور آپ کے تمام عجمی علما یقیناً معیارِ حق نہیں۔ معیارِ حق تو درکنار آپ حق بھی نہیں۔ آپ صریحاً باطل ہیں اور دوغلے ہیں۔ آپ مودودی کے خلاف زبان دارزی کریں تو یہ کہہ کر کہ صحابہ معیارِ حق ہیں اور آپ ہرزہ سرائی کریں تو آپ ''علمائے حق''

حق تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ہے، معیارِ حق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں اور آپ معیارِ باطل۔ معیارِ حق کے مقابل معیارِ باطل کو رد کر دیا جائے گا اور میں آپ کو اور آپ کے متوسلین کو علی وجہ البصیرت رد کرتا ہوں۔ آپ کو مردود قرار دیتا ہوں۔

جھوٹے تقدّس اور تقدّس کی چند ظاہری رسموں پر کاربند لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا حق رکھتے ہیں تو

میں مسلکِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قائل ان ''متقدمین'' پر تنقید کا حق کیوں نہیں رکھتا؟ میں ان پر چارج لگاتا ہوں کہ انہوں نے دو غلے پن کا مظاہرہ کیا اور معیارِ حق الاپتے ہوئے خود کو معیارِ حق سمجھ لیا۔

یہ ''متقدمین'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کو خاطی کہیں تو گستاخی نہیں اور میں ان کو باطل و مردود کہوں تو گستاخ؟ کیا تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑے ہو؟ کیا تمہاری جھالرعرشی کرنوں سے مزین کی گئی ہے؟ تم عیسائیوں کے رہبان سے کم تو نہیں ہو۔ انہوں نے تعلیمات مسیح مقدس کو غتر بود کیا اور اپنی دساست کو دین مسیحی کہا...... تم نے مؤقف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غلط کہا اور اپنی جہالت کو مؤقف علی رضی اللہ عنہ کہا اور منوانے کی ناپاک سعی کی کہ اہل سنّت والجماعت کا مؤقف صدیوں سے یہی ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مؤقف کی نفی کر کے آپ اب بھی اہل سنّت اور اہل جماعت ہیں، جب آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے مؤقف کو خطا کہہ دیا تو آپ اہل جماعت کیسے رہے؟ آپ تو جماعت سے خارج ہو گئے اور اصل ''خارجی'' تو آپ ہیں اور آپ ''عجمی خارجی'' ان ''عرب خارجیوں'' سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اللہ پاک امت کی رکھوالی فرمائے اور آپ کی دساستوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔ **وَ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز.**

یاد رکھیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مؤقف کو حق وصواب ماننے والے ہی اہل سنّت والجماعت ہیں۔ اس کو خطا کہنے والے اہل سنّت والجماعت ہرگز نہیں۔ وہ ''صورتاً'' سنّی ہیں مگر ''حقیقتاً'' خارجی، ناصبی اور سبائی ہیں۔ **ابلّغکم مقام الصحابة والجماعة......واعلم بفضل اللّٰه ما لا تعلمون.** (ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' ملتان۔ دسمبر ۱۹۹۵ء، صفحہ: ۶۔۷)

شاہ جی نے اپنی وفات سے صرف تین ماہ قبل دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں اپنی زندگی کا آخری مضمون لکھ کر دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ چنانچہ وہ زیرِ عنوان: ''سرخیل راشدین، امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، امام المتقین، اموی خلیفہ راشد، قائدانام، فاتح روم وشام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ناقد ہندوستانی و پاکستانی مولوی'' رقم طراز ہیں کہ:

''پاکستان کے ایسے مولوی جو نادانستہ شیعوں کے حلیف بنے ہوئے ہیں عمداً یہ ہفوات مسلسل چھاپ رہے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے ممدوح ہیں جو ناصبی ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح ناصبیت کے زمرے میں آتی ہے اور دلیل سے محروم یہ گفتگو ان مولویوں کے ہاں عام ہے اور حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان مکروہ لوگوں کا لب ولہجہ اور رویہ بھی نہایت سوقیانہ ہوتا ہے۔

ایسے پیوست زدہ رافضیوں کے حلیف مولویوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا شاہ ولی اللہ، امام طحاوی، ابوبکر بن جصاص......سیدنا عمر، سیدنا معاویہ، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عمر بن سعد رضی اللہ عنہم سے بہتر ہیں؟ ان کی آرا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آرا سے بہتر ہیں؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم ان لوگوں سے بہتر نہیں؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مردم شناسی کیا بعد کے بزرگوں سے بہتر نہیں؟ فضائل کے اعتبار سے کیا وہ پوری امت سے بہتر نہیں؟ جواب یقیناً اثبات میں آئے گا۔ میں پوچھتا ہوں پھر ان کی رائے، ان کی بات، ان کی اصابتِ فکر پر تم کو اعتماد کیوں نہیں؟ شیعوں

والے فکر کی اشاعت کی غلاظت اپنے سر کیوں اٹھاتے ہو؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام آتے ہی تمہیں صحابہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باتیں بھولنے لگتی ہیں اور چند ہندوستانی بزرگ تمہاری آنکھ کا سرمہ بن جاتے ہیں۔

''کیا ہندوستانی علما کا مزعومہ اتفاقِ رائے اور پاکستانی علما کا ان کی اقتدا کرنا یہ ضروری ہے؟ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات پر اعتماد و اتفاق اور اس کی اقتدا ہم سب کے لیے ضروری ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آرا پر کسی ایرے غیرے کی رائے کو فوقیت دینا فکری حرام کاری نہیں تو اور کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی خوشبو ہوتی ہے اور تمہاری باتوں میں ایرانی تعفّن ہوتا ہے۔''

''جھوٹے تقدّس کی کِرم خوردہ بیساکھیوں کے سہارے زندہ رہنے والے تفاخر سے اپنی شخصیت کا دبدبہ جماتے ہیں کہ فلاں حضرت مدنی کا مرید ہے، فلاں حضرت رائے پوری کا منظورِ نظر ہے، فلاں دیوبندی ہے۔ یہ ہے اور وہ ہے۔

انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا کی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مریدِ مصطفیٰ ہیں، مکّی ہیں، مدنی ہیں، دمشقی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبتِ بیعت ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی سند ہے......

تم مؤرخین کے درِ عجم سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شخصی پہچان کی بھیک مانگتے ہو تمہیں شرم آنی چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآنی شخصیات ہیں تاریخی شخصیات نہیں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعارف و تصدیق قرآن سے مانگیں تاریخ سے نہیں۔ قلم توڑ دیے لیکن تمہاری میلی آنکھ قرآنی سرمہ سے مجلّی نہ ہوئی۔ اگر قرآن سے دل و دماغ منوّر ہو چکے ہوتے تو سید مودودی کی طرح آپ کو تاریخ کے صیدِ زبوں کھانے کی کیا ضرورت تھی؟

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا

اس ردّ و کد کے بعد میں پوچھتا ہوں کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مریدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں؟ ان کا تزکیہ و تطہیر حضور علیہ السلام نے نہیں کی؟ ان کے تقویٰ کو اللہ نے نہیں پرکھا؟ ان کا رشد منصوص و مؤکّد قرآنی نہیں؟

عجم کے چند مخصوص عجمیوں کے کہنے سے ان کی ہدایت و رشد، تقویٰ و صفا سب مشکوک ہو جائے گا؟ دلّی و جہلم کی روندی ہوئی سرزمین کے نومسلموں کے کہنے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حلقۂ یاراں کو باطل کہا جائے گا؟ باغی کہا جائے گا؟ گناہ گار کہا جائے گا؟ ضالّ و مضلّ کہا جائے گا؟ صورتاً باغی ہیں حقیقتاً نہیں کی راگنی الاپی جائے گی؟ اگر ان کے لیے یہ ''القاب'' ضیافۂ عجم ہیں تو میں آپ سب کا ہم عصر ہوں، آپ کو جانتا ہوں، پہچانتا ہوں، مجھ پہ ظاہر ہے آپ کا باطن۔ میں کہہ سکتا ہوں آپ غلام، آپ کے والد ماجد غلام، آپ تمام باطل، تمام مرتکب کبائر، خوابوں کے ذریعے دوشیزائیں ہتھیانے والے صورتاً بھی گندے اور حقیقتاً گلے سڑے متعفّن لاشے، ایرانی دسترخوان کا چچوڑ کھانے والے۔ فرمایئے اب کیسے مزاج ہیں؟ طنطنۂ تقدّس زمین بوس ہوا کہ نہیں؟ قدرِ عافیت معلوم ہوئی؟ یہ ہے آپ کی قیمت۔ (ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت ملتان۔ اگست ۱۹۹۹ء، صفحہ: ۹۔۱۱)

مذکورہ مضمون میں صفحہ: ۱۲ تا ۱۴ پر شاہ جی نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان، ''طلقاء''، اور ''باغی'' جیسے الزامات پر اپنے مخصوص انداز میں خوبصورت بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ ''صدرِ اوّل کے واقعہ و حادثۂ فاجعہ پر دلیل (کے طور پر) صدیوں

بعد کے ایک فقیہ کی رائے کو پیش کرتے ہیں اور یوں ''رئیس المہلکین'' کا تمغہ سینے پر سجائے پھرتے ہیں اور بڑھی میراثن کی طرح انگلی بڑھا بڑھا کے دکھا دکھا کے کہتے پھرتے ہیں ہم نے جو لکھا ہے بڑی ''تہلیک'' سے لکھا ہے......اس کو کہتے ہیں دین ملاّ فی سبیل اللہ فساد......آپ جیسے ہیزم کش آذوقۂ نار ہیں اور آپ جیسوں کا علاج سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا درّہ ہے۔''

شاہ جی نے اگرچہ ہر فتنے کا مقابلہ کیا ہے لیکن ان کا خاص موضوع عقیدہ ختمِ نبوت کا تحفظ اور قادیانیت کے استیصال کے ساتھ ساتھ شیعی اور ''سنّی'' حملوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اور مسلک اہل سنت والجماعت کی حفاظت اور شیعی مذہب کی ضلالتوں کو واضح کر کے حجت حق قائم کرنا تھا اور یہ وہ موضوع ہے جو برّ صغیر کے خاص تاریخی حالات کی وجہ سے اکابر علما و مصلحین کی علمی اور دینی کوششوں کا صدیوں سے خاص موضوع رہا ہے، جس شخص نے اس موضوع سے متعلق ان اکابر کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اور وہ شاہ جی کے کام سے بھی واقف ہے تو اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ موصوف نے اس موضوع کو اپنے پیش رو اکابر کے اسلوب طرز اور مسلک کے مطابق پہلے سے کئی گنا زیادہ نکھارا۔ متقدمین اکابر نے رافضیت کی تردید حضرت ابوبکر سے حضرت علی رضی اللہ عنہم تک محدود رکھی اور دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا کیونکہ اس سلسلہ میں آخری حد تک اعتدال و توازن اور حفظِ مراتب کا برقرار رکھنا ہر عالم، محقق یا مؤرخ کا کام نہیں ہے۔ اس لیے ان حضرات اور عوامی مقررین نے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم تک اپنے آپ کو محدود رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کو عوامی لحاظ سے مشن کے طور پر اپنانے سے گریز کیا۔ حالانکہ قدح صحابہ کی سب نامراد کوششوں اور تحریکوں کو روکنے اور جام کرنے کا واحد ذریعہ مدح صحابہ خاص طور پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کو تحریری و تقریری طور پر بطور مشن اجاگر کرنا اور اپنانا ہے۔ جیسا کہ مشہور محدّث امام ابوداؤد کے استاذ ربیع بن نافع نے صدیوں پہلے قدح صحابہ کے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ:

''معاوية بن ابی سفيان ستر لأصحاب محمد صلّى اللّٰه عليه وسلّم فاذا كشف الرجل الستر اجترى علىٰ ما ورآءه'' (البدایہ والنہایہ، جلد: ۸، صفحہ: ۱۳۹)

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک پردہ ہیں جب کوئی شخص اس پردے کو کھول دے گا تو اس پردہ کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر بھی وہ جرأت کرے گا۔''

دشمنانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو ہدف یہ پردہ تھا ہی مگر صد افسوس کہ اپنوں نے بھی اس پردہ کو تار تار کرنے میں دشمن کا بھرپور ساتھ دیا۔

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں بھی ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

شاہ جی کی دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر انتہائی تیز و تند اور بے لاگ تنقید سے وہ نام نہاد سنّی جن کی عروق میں سبائیت کے جراثیم سرایت کر چکے ہیں ضرور چیں بہ جبیں ہوں گے لیکن اگر ''اکابر'' کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حسبِ ذیل ''نوازشات'' پیشِ نظر رہیں تو شاہ جی کی تنقید یقیناً منطقی اور جذبۂ ایمانی کا نتیجہ محسوس ہوگی۔

''ابوسفیان کے بیٹے کا تذکرہ کر کے ہماری مجلس کو گندا نہ کرو''

''معاویہ سود کھاتا تھا اور حلق تک جہنم میں ہے، اس گدھے نے ایک رکعت وتر کہاں سے لی؟''

''اہانت لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ''عوی'' سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے''

''حضرت معاویہؓ کو تمکینِ دین حاصل نہ تھی، معاویہؓ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا''

''ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ راشد علی المرتضیٰ اور امیرِ شام کا مقابلہ ہی کیا ''چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا''

فأين الثريا وأين الثرىٰ؟ و أين معاوية من علي؟

''حضرت معاویہؓ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں اگر صفِ نعال میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعثِ فخر ہے''

''حضرت معاویہ نصّ صریح کے مطابق باغی اور باطل تھے''

''حضرت معاویہ نصّ قرآنی کے مخالف، باغی، خاطی تھے اور ان کا مؤقف غلط تھا''

ایک عالمی شہرت یافتہ مبلّغ اسلام لکھتے ہیں کہ:

''درجے کے لحاظ سے معاویہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے ناخن کے بھی برابر نہیں تھے، معاویہؓ کی خطا تھی یہ اجتہادی خطا وغیرہ سب سابقے لاحقے ہیں۔''

''یزید بیٹیوں اور بہنوں سے صحبت کرنے کے ساتھ ساتھ شرابی اور تارک صلوٰۃ بھی تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ کم از کم دن بھر میں ایسی باتوں سے صبر کر لیا کرو، جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔''

اپنوں کی طرف سے اس توہین وتبرّ اکے علاوہ ہاشمی واموی رقابت پر مشتمل موضوع واقعات اس پر مستزاد ہیں۔

ان حالات میں ابنائے امیر شریعتؒ حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ اور مولانا سید عطاء المحسن بخاریؒ بلکہ پورے خانوادہ امیر شریعتؒ کے اکابر واصاغر کشتیاں جلا کر میدانِ عمل میں کود پڑے اور پوری جرأت وبہادری کے ساتھ ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ انتہائی منظّم طریقے کے ساتھ دفاعِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھرپور تحریک چلا کر جہاں اربابِ عزیمت کی تاریخ میں ایک سنہری باب کا اضافہ کیا وہاں اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے ایک مضبوط بند باندھ دیا تا کہ نہ کوئی اس دروازہ سے داخل ہوں اور نہ وہ سقیفہ بنی ساعدہ تک پہنچ سکے۔

انہوں نے برصغیر کی دینی جماعتوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مجلس احرار اسلام کے منشور میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ''خلافتِ راشدہ'' کے مثالیہ کے طور پر پیش کر کے اس کی دینی تاریخی اور سیاسی حیثیت کو واضح کیا۔ سخت تعجب ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان مخالفین خود تو اپنے پیروں کے ''خلیفہ ارشد'' اور ''مرشد عالم'' بن بیٹھے مگر جسے رب نے راشد قرار دیا اور جو باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ مقرر ہوا، اسے نہ صرف یہ کہ خلیفہ راشد ماننے سے صاف انکار کر دیا بلکہ اس پر طعن وتشنیع کر کے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی تنقید کا دروازہ کھول دیا۔

خانوادہ امیر شریعتؒ نے برِصغیر کی تاریخ میں پہلی بار ''مسجد معاویہ'' کے نام سے مسجد تعمیر کی اور تیرہ صدیوں کے بعد تجدید اسمائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریک چلا کر ہزاروں بچوں کے نام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر ''معاویہ'' رکھوائے بلکہ جانشین امیر شریعتؒ اور خاندانِ بنو ہاشم کے گل سرسبد، حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر عطاء المنعم شاہ بخاری نے خاندانی عصبیت

کے جاہلی بُت کوتوڑ کر برّصغیر کے سادات کی تاریخ میں پہلی بار اپنے بچوں کے نام ''سید محمد معاویہ'' اور ''سید محمد مغیرہ'' رکھے۔

دوسری طرف خود کو پیرانِ طریقت اور علمائے حق کہلانے والوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ماننے کے باوجود اپنے بچوں کا نام معاویہ رکھنے اور رکھوانے سے گریز کیا۔

خانوادہ امیر شریعتؒ نے تحریک ''تجدید اسماء صحابہ رضی اللہ عنہم'' اور ''دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی تحریک چلا کر درحقیقت مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تمام تحریکوں کو افرادی اور فکری قوت بخشی جس کی وجہ سے آج پورے ملک کے طول وعرض میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام اور ''حق معاویہ...... برحق معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا نعرہ گونج رہا ہے اور تا قیامِ قیامت گونجتا رہے گا۔ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ.

بلاشبہ حضرت مولانا سید ابومعاویہ بخاریؒ تحریک دفاع صحابہ کرام خصوصاً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجدّد ہیں زندگی بھر اس مشن پر قائم رہے حتیٰ کہ نشتر ہسپتال ملتان میں عیادت کے لیے حاضر ہونے والے مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی کو یہ وصیت فرمائی کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اس وقت کی ایک اہم ضرورت ہے لہٰذا ان کا خوب دفاع کیا کرو، معاویہ نام عام کرو۔'' (ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۷ء، صفحہ:۱۰۸)

حضرت سید عطاء المحسن بخاریؒ بھی اس تحریک کے روح ورواں تھے۔ عملی زندگی کے آغاز سے لے کر تا دمِ واپسیں اس تحریک کو بامِ عروج پر پہنچایا اور قائدانہ کردار ادا کر کے آج سے بارہ سال قبل ۳ رشعبان المعظم ۱۴۲۰ھ، ۱۲ رنومبر ۱۹۹۹ء بروز جمعۃ المبارک بعمر ۶۳ برس عالم دنیا سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہوگئے۔

یوں بھی حضرت امیر شریعتؒ کی رحلت کے بعد ۳۸ برس تک مسلسل شاہ جیؒ نے جس مقدّس مشن کی خاطر آگ اور خون کے سمندر سے گزر کر ایثار وقربانی کی جن عظیم روایات کو زندہ کیا تھا اس عظیم مشن کو ان کے مخلص اور جاں نثار سربکف رفقائے فکر اور کارکنانِ احرار جاری رکھے ہوئے ہیں اور جب تک یہ مقدّس مشن جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا، ''شاہ جی'' کی خدمات اور ایثار وقربانی کی عظیم روایات اور نام بھی زندہ وجاوید رہے گا۔

وہ میرا شعلۂ جبیں موجۂ ہوا کی طرح
دیے بجھا بھی گیا اور دیے جلا بھی گیا

علماء حق کا ترجمان
المیزان
ناشران وتاجرانِ کتب
دینی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور اصلاحی کتابوں کا معیاری ادارہ
دینی مدارس کے طلباء کے لیے وفاق المدارس کا تمام نصاب سب سے زیادہ رعایتی قیمت پر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7122981-7212762

خطیبِ بنی ہاشم، سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ملک منیر عباس وینس

نہ تاج و تخت میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

۱۵/ اکتوبر ۲۰۱۱ء کی ڈھلتی دوپہر کو دارِ بنی ہاشم پہنچا تو ''آرزوئے محسن'' کی ''تعبیرِ جمیل'' جناب سید کفیل بخاری کتابوں کے جلو میں تشریف فرما تھے۔ جدید دور کی برق رفتار آسانیوں کے بوجھ میں اپنی سماعت موبائل کی گرفت میں دیے مجھے خوش آمدید کہا۔ ہر چند کوشش کی مگر (Calls) کا نزول وردِ شام وسحر کی تجسیم میں ڈھلتا چلا گیا اور کچھ دیر بعد بے تکلفی سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ مجھے حکماً کہا کہ ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ گزری رفاقتوں کے کچھ احوال لکھے جائیں۔ کہاں فکرِ محسن اور کہاں مجھ جیسا بے نوا۔ لیکن جناب سید کفیل بخاری کی بے لوث محبت نے ایک فرض کی ادائیگی کا احساس دلا کر مجھے کچھ لکھنے پر آمادہ کیا۔

غالباً ۱۹۹۰ء کے دور میں مجھے دارِ بنی ہاشم کے اس مرد قلندر سے شناسائی ہوئی۔ میں چونکہ بریلوی مکتبِ فکر کا ''مریدِ خاص'' تھا اور حق گو لوگ ہمیں ہر اعتبار سے ''وہابی'' نظر آتے تھے۔ کیونکہ ہمارے ''پیرانِ تسمہ پا'' نے ہمیں شروع سے ہی مذہبی تعصب کا درس بڑی فیاضی سے دیا۔ لہٰذا اس ماحول سے یکسر نکلنا میرے لیے ایک معجزے سے کم نہ تھا۔

میں سردیوں کے موسم میں اپنے مکان کی تعمیر میں مصروف تھا، ٹھیکیدار سے مذہبی امور پر کچھ بحثا بحثی ہوتی رہتی۔ اس نے مجھے دعوت دی کہ کسی دن میں تمہیں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بیٹے سید عطاء المحسن بخاری کے پاس لے چلتا ہوں آپ انہیں ایک دفعہ سنیں اور پھر فیصلہ کریں چنانچہ

وارفتگیٔ شوق میں بقول داغ:

جذبۂ عشق سلامت ہو تو ان شاء اللہ
کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے

ہم دونوں دارِ بنی ہاشم پہنچ ہی آئے، باہر صحن میں بچھی صفوں پر لوگ کثیر تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد شمالی جانب سے ایک پرشکوہ قامت، وجیہہ حسن کی علامتِ دل آویز ایک مسحور کن شخصیت نمودار ہوئی اور نہایت پروقار انداز میں منبر پر جلوہ افروز ہوئی۔ انتہائی دلنشیں لہجے میں خطبۂ مسنونہ پڑھا، پھر حجازی لے میں کلامِ پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور درودِ ابراہیمی اپنے منفرد انداز میں تین مرتبہ خود بھی پڑھا اور سامعین کو بھی بہ آواز بلند پڑھنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد تقریر کا مرحلہ آیا، تقریر کیا تھی ایسی مرصع اور پُر تاثیر گویا ابرِ نیساں کی طرح دل و

دماغ کو معطر کرتی چلی گئی۔ میں اُن کے سحرِ خطابت، جرأتِ اظہار اور حق گوئی کا ایسا گرویدہ ہوا کہ اس کے بعد شاید ہی میری زندگی کے ماہ وسال میں آنے والا کوئی ایسا جمعہ ہو کہ میں دارِ بنی ہاشم بہ اہتمام نہ پہنچا ہوں۔

شاہ جیؒ صرف خطیب ابنِ خطیب ہی نہ تھے بلکہ علومِ ربانی کی ایک روشن تفسیر بھی تھے۔ علم وفضل کی جولانگاہ میں ان کے معاصرین میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ وہ اسلامی فکر ونظر کی ترویج واشاعت میں کسی لگی لپٹی بات سے کام نہیں لیتے تھے۔ بلکہ کلامِ حق کو اس کے اعجازِ مبین کے پیرائے میں بیان کرنا اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے تھے۔ حالات چاہے کتنے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ تھے شاہ جیؒ نے دینی نہج پر ایک پرامن معاشرے کی تشکیل نو کے لیے ہمیشہ منفرد کردار ادا کیا۔ علم قرآن اور فقہ و حدیث سے بے پناہ ادراک کے ساتھ انہیں شعر وسخن کا ملکہ بھی حاصل تھا۔ تاریخ، فلسفہ اور علم وادب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کا ابلاغ شاہ صاحب کی تحریر وتقریر میں نظر نہ آئے۔ میرے نزدیک ان کی ہمہ جہت شخصیت کے تین پہلو بہت نمایاں ہیں:

(۱) قرونِ اولیٰ کے علمائے حق کا عکسِ جمیل

(۲) اعصاب شکن دور کے بذلہ سنج خطیب

(۳) سادگی ومتانت کی بہارِ آفرین

میں نے اپنی زندگی میں بہت ہی کم ایسے لوگ دیکھے ہیں جو محراب ومنبر کی حرمت کا خیال رکھیں وگرنہ بڑے بڑے فصیح اللسان جب خطابت کی کرسی پر براجمان ہوتے ہیں تو مفاد پرستی کے عناصر ان کی حق گوئی پر غالب نظر آتے ہیں۔ وہ حاکمانِ وقت سے ڈرتے ہیں کہ حق کہنے سے وہ کہیں ان کی ''بارگاہِ فیض'' سے محروم نہ ٹھہرائے جائیں، چنانچہ اس عتاب سے بچنے کے لیے وہ ان کے مندروں میں جا کر وہ بھجن گاتے ہیں کہ بقول اقبال:

''جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود'' کے مصداق بن جاتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جناب سید عطاء المحسن بخاریؒ کو ان علماسُو کے سایۂ ابتذال سے نہ صرف دور رکھا بلکہ قرونِ اولیٰ کے حق پرست علما کے منصب پر فائز کیا جس کا ایک مشاہدہ راقم الحروف نے خود بھی کیا۔

بہت عرصہ پہلے اُچ شریف میں بیادِ امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ملک کے معروف علمائے کرام تشریف فرما تھے۔ ہر عالمِ دین نے بقدر استعداد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی با کردار شخصیت پر روشنی ڈالی۔ آخر میں خاندان بنی ہاشم کے اس سحر انگیز خطیب کی باری آئی، دوسری طرف کچھ فاصلے پر اہلِ تشیع کے ''طالب جوہری'' بھی اپنی محفل جمائے ہوئے تھے۔ جلسہ برخاست ہونے کے بعد شاہ صاحب لوگوں سے مل رہے تھے کہ اس دوران ایک آدمی نے کہا کہ شاہ جی جب آپ نے تقریر شروع کی اور آپ کی تلاوتِ قرآن کی آواز اُن تک پہنچی تو جوہری نے جلسہ برخاست کیا اور پنڈال چھوڑ کر بھاگیا۔ بمطابق نص قرآنی ''حق آگیا اور باطل بھاگ گیا''

یہ میری زندگی کا ایک محیر العقول واقعہ تھا کہ خطیبِ بنی ہاشم کی ''صدائے حق'' کے سامنے ایک رافضی اور سنّی تبرّ ائی ٹھہر نہ سکا۔ ایسے کئی بے شمار واقعات ہیں جو شاہ جیؒ کی للّٰہیّت پر شاہد عدل ہیں۔

شاہ جیؒ ایک کثیر المطالعہ اور زندہ دل شخصیت تھے وہ دورانِ تقریر سامعین کی اعصاب شکنی دور کرنے کے لیے بذلہ سنجی کا اہتمام بھی کرتے۔ اور یہ طرۂ امتیاز انہیں اپنے والد گرامی حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ورثے میں ملا تھا جو لاکھوں انسانوں کے مجمع میں لوگوں کو پل بھر میں رُلا دیتے یا پھر عین اسی لمحے ان کی آنکھوں سے آنسو اوجھل کر کے ان کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیر دیتے۔ فنِ خطابت کے اس شاہسوار کی گفتگو بھی ہر درجہ لطف آمیز اور پُر شگفتہ ہوتی۔ اُن کی خطابت میں کبھی دریاؤں کی روانی اور سمندروں کے خروش ہوتا، کبھی پُر جوش الفاظ بادلوں کی طرح گرجتے، بجلی کی طرح کڑکتے اور کبھی مترادفات کا مینہ برستا۔ دورانِ خطاب اپنی بات کو مدلّل کرنے کے لیے جب وہ حجازی لَے میں قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے تو سامعین کے دل بھی اُن کے ساتھ دھڑکنے لگتے۔ اشعار کا برجستہ استعمال ایسا تھا جیسے خطابت کی انگشتری میں عقیق و یاقوت اور مرجان جڑ رہے ہوں۔ بعض ترکیبیں، اصطلاحات اور امثال اُن کی طبع زاد تھیں۔ جو کتابوں میں پڑھیں نہ کسی سے سنیں۔ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ادب و تاریخ میں زبردست اضافہ ہوگا۔ وہ کئی علاقائی زبانیں جانتے تھے۔ اُن کی اپنی زبان پنجابی تھی لیکن اردو، سرائیکی، جھنگوی، رچناوی، میں دو دو گھنٹے تقریر کرتے۔ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ شاہ جی کی اپنی زبان کون سی ہے۔ وہ جس زبان میں بھی گفتگو کرتے تلفظ اور طرز ادا میں غلطی نہیں کرتے تھے۔ اردو، پنجابی، سرائیکی، ہندکو کے تمام لہجوں میں بولتے تھے۔ عربی، فارسی میں مکمل عبور تھا، ہندی، گورمکھی بنگالی اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ جلسۂ عام ہو یا نجی محفل، وہ بے تکلف گفتگو کرتے۔ وہ واقعی خطیب بنی ہاشم تھے۔ اُنہیں خطابت، علم، تقویٰ اور جرأت و بہادری ورثہ میں ملی تھی۔ شاہ جی واقعتاً ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔

شاہ جیؒ مجلس احرار کے قائد ہونے کے باوجود اپنے کارکنوں کے درمیان کسی امتیاز کے قائل نہ تھے۔ ہر کارکن کی بھرپور سرپرستی فرماتے اور ان کی دردمندی کا خاص خیال رکھتے وہ دوستوں کی طرح ان میں گھل مل جاتے، ان کا حوصلہ بڑھاتے اور بے پناہ قدر کرتے۔ جماعت کے ایک انتہائی خوش طبع دوست جناب عبدالحکیم کے ساتھ دل لگی کا یہ عالم تھا کہ شاہ جیؒ لاہور میں بوجہ علالت قیام پذیر تھے تو عبدالحکیم نے انہیں خط لکھا کہ میرے پاس آنے کی استطاعت نہیں لیکن دل بہت اداس ہے۔ شاہ جیؒ خط پڑھ کر آبدیدہ ہوگئے۔ محسنِ احرار نے اپنی فکر و نظر کے امین جناب سید کفیل بخاری کو حکم دیا کہ وہ ان کو ساتھ لے کر لاہور پہنچیں۔ چنانچہ جناب سید کفیل بخاری، عبدالحکیم صاحب کو لے کر لاہور پہنچے اور شاہ جیؒ کی محبت آمیز محافل سے فیض یاب اور لطف اندوز ہوتے رہے۔

شاہ جیؒ کی انسان دوستی کی بے شمار مثالیں ہیں جنہیں لکھنے کے لیے ایک وقت درکار ہے۔ ان کی دل افروز خطابت کے علاوہ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کا استغنا تھا۔ آپ اس قدر خوددار انسان تھے کہ آپ نے کبھی امراء وقت کے ساتھ روابط نہیں رکھے بلکہ مجبور قوم پر ان کی مسلط کردہ آمریت کو ہمیشہ للکارا۔ بھٹو دورِ حکومت کے

طوفان بدتمیزی اور فسطائی ہتھکنڈوں پر کڑی تنقید کی پاداش میں آپ کو پابندِ سلاسل رکھا گیا۔ اس مردِ حُر نے زنداں کی صعوبت تو برداشت کی لیکن لادین اور سیکولر حکومت سے مفاہمت قبول نہ کی۔ شاہ جیؒ نے فرقہ بندی سے ہمیشہ بالاتر ہوکر دینِ اسلام کی خدمت کو اپنا شعار بنایا۔ بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث حتیٰ کہ بعض شیعہ حضرات بھی آپ کی تقاریر سننے کے لیے آتے۔ اور جو ایک دفعہ صدقِ دل سے آتا تو پھر کبھی ''بزمِ محسن'' سے دور نہ رہتا۔

شاہ جیؒ نے مروّجہ کافرانہ نظامِ جمہوریت کے خلاف ہمیشہ علمِ بغاوت بلند رکھا۔ ''گردن فرازانِ جہاں'' کی لادین سرگرمیوں کے خلاف اپنی آواز کو کبھی دھیما نہیں ہونے دیا، مسئلہ ختم نبوت سے لے کر ناموس اہلِ بیت اور آبروئے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنی فکر ونظر کے معیار کو کبھی گرنے نہیں دیا۔ قتیلِ سازشِ ابن سبا، نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مظلومِ کربلا جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقائے گرامی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے منعقدہ سالانہ مجلس ذکرِ حسین سے پہلے مسجد میں ختم قرآن کراتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ بیت اُمّہات المؤمنین، آپ کی اولاد، صحابۂ کرام اور شہدائے کربلا رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ہدیۂ ایصالِ ثواب کی محفل کا اہتمام کرواتے۔ بعض ''یارانِ سرِ پل'' نے شاہ جیؒ کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کیں اور اب تک کر رہے ہیں۔ اور انہیں الزام و دشنام دینے سے بھی نہیں شرماتے۔ لیکن وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ میں نے خود نجی محفل میں اس موضوع پر ان سے کئی سوالات کیے جن کا انہوں نے یوں جواب دیا:

''میرے نزدیک یزید کبھی سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کا ہمسر نہیں ہوسکتا اور مجھ جیسے کروڑوں محسن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں کی دھول پر قربان۔ وہ میرے جدامجد ہیں میں بھلا ان کے ساتھ اپنی نسبت کیسے توڑ سکتا ہوں؟ ہاں روافض کی سازش باطل کو بے نقاب کرنے کے لیے میں قرآن کی ممدوح شخصیات یعنی اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے دفاع کے لیے سخت اسلوب اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کا رشتہ آپس میں گل وبلبل کی طرح ہے۔''

ان اشکالات کے رفع ہونے کے بعد اگر کوئی کور باطن شاہ جیؒ کی فکر کو تعصب کی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرے تو یہ سراسر ظلم اور جہالت ہے۔ خاندانِ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرد فرید جس کی پوری زندگی دینِ اسلام کی تبلیغ و نفاذ کی جہد مبین میں گزری بالآخر ۱۲رنومبر ۱۹۹۹ء کی افسردہ صبح کو اپنے رب سے دائمی ملاقات کے لیے ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

آج کے بگڑے ہوئے حالات میں شاہ جیؒ کی کمی شدّت سے محسوس کرتا ہوں۔ سوچتا ہوں کوئی تو ہو جواُن کی طرح قوم کے عقائد درست کرے، اعمال کی اصلاح کرے اور صحیح راستہ دکھائے۔ تبلیغِ دین کا عظیم الشان کام ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا (ان شاء اللہ) مگر بعض شخصیات کی ادائیں اور انداز بڑے بڑے نرالے ہوتے ہیں۔ جو بُھلائے نہیں جاسکتے، شاہ جیؒ اُنہیں میں سے ایک تھے۔

آہ!

بُلبُل کہاں، بہار کہاں، باغباں کہاں
وہ دن گزر گئے، وہ زمانہ گزر گیا

سید محمد ذوالکفل شہیدؒ

بنت بستانِ عائشہ

خالق ارض وسما نے روزِ اوّل سے ہی اپنے سوا کائنات کی ہر چیز کے لیے فنا کا اصول مقرر فرما دیا۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی ہر جان نے موت کا جام پینا ہے۔

دو سال قبل ۱۵؍ نومبر ۲۰۰۹ء کی وہ غمگین شام ناقابل فراموش ہے۔ جس نے چند لمحوں میں قیامت صغریٰ برپا کر دی تھی۔ ہم تو اس سے بے خبر معمولات یومیہ میں مشغول رہے۔ مغرب کے وقت اطلاع موصول ہوئی کہ مکرم، منعم کے بابا جان کار حادثہ کے نتیجے میں انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں ہیں۔ میرے خدایا خبر تھی کہ صاعقۂ سماوی۔ پھر کچھ نا سمجھی کے عالم میں کبیدہ خاطر اللہ تعالیٰ سے ان کی زندگی کے لیے استدعا کی مگر انسان کی سوچ وخواہش فائق وماورا نظامِ کائنات غالب رہا۔ موت کا دست غیر مرئی ہمارے درمیان سے یہ کالا گلاب لے اڑا یعنی ذوالکفل شاہ جیؒ نے دنیائے دنی سے تمام تعلق چھڑا کے رب ذوالمنن سے نفس مطمئنہ کا مژدہ وصول کر لیا۔

تمام رات مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے اس خبر کی تکذیب میں گزری لیکن اگلی صبح کے اخبار نے توثیق کر دی۔ آنسوؤں کا سیلِ رواں ضبط کے تمام بندھن توڑ کے پلکوں کی باڑ پھلانگ گیا۔ اسی غمناک کیفیت میں غلطاں وپیچاں دارِ بنی ہاشم پہنچی تو یوں لگ رہا تھا کہ دنیا کی ہر چیز اس سانحے پر اداسی کا لبادہ اوڑھے چپ چاپ کھڑی ہے۔ اپنے، پرائے، مرد وزن سبھی ذوالکفل شاہ جیؒ کی عالمِ آب وگل سے روانگی پر اشک بار تھے، لیکن افراد خانہ کا صبر جمیل فقید النظیر تھا۔ ہر لمحہ تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھتا چلا جا رہا تھا اور وہ سب تو کمال ضبط سے دوسروں کی اشک شوئی کر رہے تھے۔ آنسو بہتے تو آنکھیں ''تفیض من الدمع'' کا مصداق بن جاتیں اور جب رکتے تو لگتا جیسے دجلہ وفرات کا پانی روکے ہوئے ہیں۔

تیری جدائی میں مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ کسی کی قدر ومنزلت کا اندازہ اس کا جنازہ دیکھ کر ہوتا ہے، اس روز مجھے اس بات پر عین الیقین، حق الیقین ہوا، جب یہاں تقریباً نو بجے اطلاع پہنچی کہ حرمِ کعبہ میں لاکھوں زائرین حج نے سبطِ امیر شریعتؒ کی نماز جنازہ ادا کی ہے اور جنت المعلیٰ میں مونسۂ امت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قدمین شریفین میں ان کا مستودع بنا ہے۔

ذوالکفل شاہ جیؒ کیا تھے؟ اسے لفظوں کا پیرہن دینا کیونکر ممکن ہوگا؟ اور ویسے بھی ''انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا'' وہ تو ہمہ جہت صفات سے متصف تھے۔ سراپا علم وادب، خلوص وحیا کا پیکر، علم وعمل کا امتزاج، متبسم چہرہ، مسکراہٹوں کے قاسم، ذی غض بصر، وسیع النظر، عمیق الفکر، دقیق الفہم۔ غرضیکہ ان کی عبقریت کا اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے۔

اثر جون پوری کے چند اشعار ان کے لیے

انہیں چشم ڈھونڈے ہے ہر طرف وہ نظر میں ایسے سما گئے
سبھی اہلِ دل ہیں دریدہ دل وہ جہان فانی سے کیا گئے
یہاں رند ہیں سبھی تشنہ لب، یہاں ہر مریض جاں بلب
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
وہ سلف کی گویا شبیہ تھے، وہ زمانے بھر کے فقیہ تھے
وہ جمیل تھے وہ وجیہ تھے، سو دلوں پہ نقش جما گئے
اے اثر انہوں نے حیات کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا
جو خدا سے عہد الست تھا وہ بہ حسن و خوبی نبھا گئے

نظم ونثر دونوں ہی گہر ہائے آبدار ہوتے تھے۔ جامع تحریر، پراثر کلام، مافی الضمیر بیان کرنے پر قدرت، بحور و اوزان، تقطیع، تلمیح، تشبیہ واستعارہ وغیرہ کیا خوب تھے۔ قاری لحہ بہ لحہ زیادہ چاشنی محسوس کرتا۔ ڈوبتے سورج کے لیے نوید سحر، ظلمت کے خلاف آوازِ حق، گرداب میں پھنسی کشتی کی ساحل کی طرف رہنمائی، یہ سب کچھ کیسے کرنا ہے وہ بدرجہ اتم جانتے تھے ان کی صریر خامہ بامقصد ادبیت کے ایوان میں ہمیشہ گونجتی رہے گی۔

تقریر میں تو گویا لسان الاثر تھے۔ یوں لگتا جیسے موتیوں کی مالا ٹوٹ گئی ہو۔ باطل کے لیے قدغن، للکار حق شناسی، حق گو، فصاحت وبلاغت اتنی کہ ہر غبی وذکی ذہن ان کی بات سمجھ لیتا اور سر دھنتا۔ ان کی لاجورد گفتگو لاف زنی سے پاک ہوتی۔

کتھا نہیں ہے یارو خون جگر ہے میرا

ان سے لقاء کی خاطر احباب کی کیفیت شعلۂ جوالہ کی سی ہوتی جو کوئی ایک بار ملتا اس کا مرحوم سے تعلق لاینفکّ قائم ہوجاتا۔ ملنے والے کواکب کی تعداد میں تھے۔ ہر کوئی طفولت وکہولت، ناتراشیدگی وتبحر علمی کی تمام قیود سے آزاد ہوکر بلاتخصیص وتعمیم اس عین جاری سے اکتساب کرتا۔ متفرقات واشتات میں سے چاہے کچھ بھی استفسار کریں یہ مردِ لبیب لبالب بھرے ہوتے تھے۔

یادایام میں سے ایک واقعہ رقم کرتی ہوں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ذوالکفل شاہ جیؒ ایک مقامی کالج میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ کالج میں ایک تقریب منعقد ہورہی تھی، لغوخرافات جس کالابدی جز تھیں۔ شاہ جیؒ کے ذمہ فرائض نظامت تھے۔ ایک بانکا، سجیلا نوجوان بھی اس تقریب میں شامل ہوگیا۔ اتفاق بالاتفاق کہ اس کی بہن جامعہ ہذا میں زیرِتعلیم تھی۔ اس نے اپنی بہن کے سامنے شاہ جیؒ کی اس تقریب میں شمولیت پرکوئی اعتراض کیا ہوگا کہ اگلے دن اس طالبہ نے (جواب فارغ التحصیل ہیں) بھری جماعت میں بڑی باجی سے کہا: دریں شک است۔ بڑی باجی نے کہا: دیکھو بھئی غلط تو غلط ہے چاہے میرا بھائی ہی کیوں نہ کرے۔ بہرحال! کل بات ہوگی۔ گھر جاے جب بڑی باجی نے معمولی سے خفگی کے ساتھ یہ بات ان کے سامنے رکھی تو شاہ جیؒ نے سب سے پہلے ان تہنیت پیش کی کہ آپ نے اپنی بچیوں کوصحیح غلط ببانگ دہل کہہ دینے کا حق دیا ہوا ہے اور پھر کہنے لگے: ''میں بالجزم کہتا ہوں کہ معترض ہمارے کالج کارکن نہیں ہے۔ اگر وہ ہوتا تو اسے یہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس تقریب میں میری شرکت ضروری تھی۔ تاہم میں نے نعت و تلاوت کے بعد اسٹیج چھوڑ دیا تھا بلکہ وقتاً فوقتاً حق بات کہہ چھوڑی اور تقریب کو k.k کا نام دیا۔'' تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ وہ نوجوان واقعی کالج کا طالب علم نہیں تھا۔

بڑی باجی نے اپنے صوفی منش بھائی کے بارے میں مزید بتایا کہ وہ زمانۂ طالب علمی میں بھی سر پرمخصوص ٹوپی اور پیروں میں ہوائی چپل پہنتے تھے۔ کچھ افراد کو اس پراعتراض ہوالیکن ان کی جرأت رندانہ اور ثقہ علی النفس کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور وہ اپنا سامنہ لے کے رہ گئے۔

شام بھی تھی دھواں دھوں، حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

مجھے یقین ہے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچے ہوں گے تو حورانِ جنت اور ملائک نے ان کا استقبال کیا ہوگا اور اللہ نے انہیں ''زلفیٰ'' مقام بھی عطا کیا ہولیکن دنیا میں ان کی دو معصوم کلیاں جو ابھی تک اس تعویق پر حیران و پریشان ہیں۔ یکلخت اپنی چھت اڑ جانے سے ان کی کیفیت اس شخص کی مانند ہے جس کا ابرِ نیساں گم ہوگیا ہو۔ بقول منیر نیازی:

میرے بابا......میرے بابا، تم کہاں جا رہے ہو؟
خدا کے لیے اتنا تیز نہ چلو
بات کرو، میرے بابا! اپنے ننھے بچے سے کوئی بات کرو
نہیں تو میں گم ہو جاؤں گا......اور پھر دھند اڑ گئی بہت دور

عربی میں ایک مقولہ ہے کہ ''الولد سرٌّ لأبیہ'' ایسے ہی دونوں کے انداز وافکار ہو بہو اپنے والد جیسے ہیں۔

درّ ابلق سید عطاء المکرّم انتہائی حساس اور پیار محبت والا بچہ ہے۔ پہلے بہن اور پھر بابا جان کی موت نے اس کے ننھے ذہن میں کئی سوال اٹھا دیے ہیں۔ ہر صیغہ سے موت کے بارے میں پوچھ چکا ہے۔ ابتدا میں اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ جوتا، عینک، گھڑی، قلم، کتاب، ہر چیز کی نسبت سے اپنے بابا جان کے واقعات سناتا رہتا تھا اور اب تک ایسا کرتا ہے۔ ایک دن مجھ سے یک دم کہنے لگا: ''جب سب نے مل کے بابا جان کو قبر میں اتارا تو کھڑکی کیوں نہیں رکھی ان کا تو دم گھٹ جائے گا'' اس لمحے مجھے اپنا دم نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ میں کچھ توقف کے بعد بولی: دیکھو چندا آپ وہاں تمام وقت تو موجود نہیں رہے ہو۔ جیسے ہی سب انہیں دفن کر کے آئے تو فرشتے انہیں وہاں سے نکال کر جنت میں لے گئے۔

درّ شہوار سید عطاء المنعم بڑا متند بر اور سطوت والا بچہ ہے اکثر مجھے اپنے عزائم سے آگاہ کرتا رہتا ہے کہ مجھے بڑے ہو کر مساجد بنوانی ہیں، تقاریر کرنی ہیں، کفر کو ختم کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی وجہ سے میں یہ مثل سمجھی ہوں کہ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔''

ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے کہا: آپ بڑے ہو کر مفتی بننا۔ فوراً بولا: جی باجی! میں بڑے ہو کر مفتی بنوں گا، سب کو مفت ہی چیزیں دوں گا۔'' میرا تو ہنسی کا فوارہ ابل پڑا۔

وقت کا پہیہ اپنی رفتار سے گھوم رہا تھا لیکن یہ زخم تو اب عالم ارواح میں پہنچ کر ہی مندمل ہوگا۔ معلوم ہوا کہ دنیا مکڑی کا جالا ہے اور اس کی نیرنگیاں ایک دھوکہ

یا صاحبی لا تغتر ربا لتنعم — فالعمر ینفد والنعیم یزول
واذا حملت الی القبور جنازہ — فاعلم بانک بعدھا محمول

اَلتَّاجِرُ الصُّدُوقُ الْاَمِین مَعَ النَّبِیِّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّھَدَاء (جامع ترمذی، ابواب البیوع)
سچے اور امانت دار تاجر کا حشر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا (الحدیث)
فلک الیکٹرک سٹور
ہمارے ہاں سامان وائرنگ ہول سیل ریٹ پر دستیاب ہے
گری گنج بازار، بہاول پور پروپرائیٹر فلک شیر 0312-6831122

قسط: ٦

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد*

خدمتِ خلق: (عوامی رابطے)

عزیز بھراڑہ کے انتقال کے بعد خالد بن شہید ہم نونہال احراریوں کے سالار تھے۔ جن کی قیادت میں ہم اپنے ماحول کے مطابق اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ جماعتی کام بھی کرتے رہتے۔ جماعت کے رضا کار شہر میں خدمت خلق کے پروگرام بھی بناتے اور لوگوں کے معاشرتی و معاشی مسائل میں ان کے ساتھ مل کر انہیں حل کرنے کی کوشش میں ان کے ساتھ تعاون کرتے۔ ایک دفعہ مجھے یاد ہے کہ جماعت کے صدر ملک اللہ دتہ مرحوم و مغفور کورات کے ایک جماعتی اجلاس میں کہا گیا کہ چنیوٹ ریلوے سٹیشن پر جب ٹرین رکتی ہے تو ہندو (کانگریس کے رضا کار) مسافروں کو ٹھنڈا پانی پلاتے ہیں۔ اور پورا سٹیشن ”ہندو واٹر، ہندو واٹر“ کی صداؤں سے گونج اٹھتا ہے۔ مسلمان مسافر بے چارے اس وقت پیاس کی شدت کو تو محسوس کرتے ہیں لیکن ”ہندو واٹر“ پینے سے پرہیز کرتے ہوئے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتے۔ اس لیے تجویز یہ ہے کہ ہمیں وہاں پر مسلمان مسافروں کو پانی پلانے کے لیے کوئی انتظام کرنا چاہیے۔ صدر جماعت نے اس تجویز کی تائید کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ کل سے احرار رضا کار وہاں پہنچیں اور مسلمان مسافروں کو ٹھنڈا پانی پلانے کا انتظام کریں۔ بس پھر کیا تھا رضا کاروں نے دوسرے روز کام شروع کر دیا۔ ”ہندو واٹر“ کے ساتھ جب ”مسلمان واٹر“ کی صدائیں بلند ہوئیں تو ایک عجیب سماں بندھ گیا۔ شہر کے لوگوں نے اس نیک کام کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے جماعت کی ہر ممکن مدد کی اور یہ سلسلہ برسوں تک گرمی کے موسم میں جاری رہا۔ اسی طرح اگر کسی محلے میں کسی دکان یا مکان کو آگ لگ جاتی تو رضا کار وہاں پر پہنچ جاتے۔ اور آگ بجھانے میں مدد کرتے۔ جماعت کی طرف سے یہ ہر رضا کار کو حکم تھا کہ محلے کے اندر اگر کسی گھر میں کوئی فرد نہیں تو اس کی سبزی ترکاری اور بازار سے سودا سلف لانے میں خواتین سے تعاون لیا جائے، ان سب کاموں میں جہاں مجلس احرار کے رضا کار شامل ہوتے وہیں ہم نونہال احراری بھی ان کے ساتھ ساتھ ہوتے۔

عید، بقر عید کے موقع پر شاہی منڈی سے مجلس احرار کی قیادت میں لوگ جلوس کی صورت میں عید کی نماز پڑھنے کے لیے جاتے۔ جس دن صبح عید ہوتی ہم ساری رات عید گاہ کے راستے کو سجانے میں صرف کرتے۔ جگہ جگہ احرار گیٹ بنائے جاتے جن پر احرار کا پرچم لہرا رہا ہوتا۔ لوگوں کی زبان پر مجلس احرار کے رضا کاروں کا ذکر خیر ہوتا اور لوگ جماعت احرار کے ان کاموں کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہوئے ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے تو ہم رضا کار اس پر بڑی خوشی محسوس کرتے۔ عید گاہ جانے والے جلوس کی قیادت ملک اللہ دتہ صدر مجلس احرار اسلام کرتے تھے۔ اسی طرح جب ۱۹۴۵ء میں شہر کے اندر ہیضے کی وبا پھیلی تو احرار رضا کار اس وقت بھی مستعد نظر آئے۔ ملک اللہ دتہ خود ہاتھ میں جھاڑو لے کر احرار رضا کاروں کے ساتھ شہر کی صفائی کرتے ہوئے جب نظر آئے تو لوگوں نے مجلس احرار اسلام زندہ باد کے نعرے لگائے۔ رضا کار نالیوں کو صاف کرتے اور پھر ان میں چونا

*نائب امیر مجلس احرارِ اسلام پاکستان

ڈالتے۔ تاکہ شہر میں صفائی بہتر ہو اور ہیضے کے جراثیم ختم ہوں۔ بلدیہ چنیوٹ کی غفلت پر اسے نشانہ تنقید بنایا جاتا۔ اور رات کے اجلاس میں احرار رضا کاروں کو امدادی کیمپ جو کہ اسلامیہ ہائی سکول کی نئی عمارت میں تھا کے بارے میں ہدایات دی جاتیں۔ شہر میں جب لوگ اپنے اپنے گھر چھوڑ کر چلے گئے تو اس وقت بھی احرار رضا کار ہی تھے جو شہر میں حسبِ معمول رات کو اکٹھے ہوتے اور اپنے دفتر شاہی منڈی میں حالات پر قابو پانے کے لیے مختلف نوعیت کی تجاویز کو زیر بحث لاتے۔

ہفت روزہ ''یادِ خدا'' کے صفحات ان دنوں مجلس احرار کی تعریف و توصیف سے بھرے ہوتے۔ جماعت کی سماجی خدمات پر اسے خراجِ تحسین پیش کیا جاتا۔ ''یادِ خدا'' خود اس صف میں سب سے آگے تھا جو بلدیہ کی غفلت اور صحت و صفائی کے سلسلے میں کوتاہی پر اسے نشانہ تنقید بناتا۔ ڈاکٹر عزیز علی ایڈیٹر ہفت روزہ ''یادِ خدا'' صفائی کی اس مہم میں مجلس احرار اسلام کے معاونِ اعلیٰ تھے۔ ان حالات کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس وقت مجلس احرار اسلام اور مسلمانوں کا جو گہرا تعلق ہمیں نظر آتا ہے اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ احرار رضا کار مسلمانوں کی ہر مشکل وقت میں ان کی ہر طرح کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ جس کے نتیجے میں شہر کی مسلم آبادی ان کی ان خدمات کو سراہتے ہوئے جماعت احرار کی ہر ممکن مدد کرتی۔ جماعت اور عام شہریوں کے درمیان یہ ایک ایسا ربط تھا جو انہیں یک جان کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت احرار کی طرف سے جتنی بھی تحریکیں چلائی گئیں ان میں چنیوٹ کا حصہ وافر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں جب تمام بڑے شہروں میں تحریک کو کچل دیا گیا تو صرف چنیوٹ شہر کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں یہ تحریک مارچ کے بعد اپریل تک بھی چلتی رہی۔ اسی طرح تحریک کشمیر ۱۹۳۰ء میں بھی اس شہر کے لوگوں نے جماعت احرار کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا تو اس لیے جماعت کا شہر سے ربط تھا۔

شہر میں جماعت احرار کے علاوہ ''خاکسار تحریک'' بھی متحرک تھی۔ ان کے رضا کار بھی خاکی وردی میں ملبوس شہر کی سڑکوں پر مارچ کرتے اور ان کے ہاں بھی خدمت خلق کے کام کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، اطاعتِ امیر، غلبۂ اسلام اور خدمت خلق یہ تینوں نصب العین ان کے ہاں سب سے اہم سمجھے جاتے تھے۔ جب وہ خاکی وردی میں پریڈ کرتے تو وہ بھی ایک ترانہ ساتھ پڑھتے تھے: ''تیز چل اے خاکسار وہ رہی منزل تیری'' ترانے کا مصرع اوّل ہوتا تھا۔ ان کے سالار محمد یوسف ایک انتہائی مخلص، محنتی اور دردِ دل رکھنے والے شخص تھے۔ جو اپنے رضا کاروں کو بھی لوگوں کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہنے کی ترغیب دے کر انہیں بیدار رکھنے میں ہر طرح سے کامیاب ثابت ہوئے۔ جمعہ کے روز شاہی مسجد کے باہر ایک طرف خاکساروں کی صف بندی ہوتی تو مسجد کی شمالی سمت میں مجلس احرار کے رضا کار صف میں کھڑے ہوتے۔ ادھر دُرّوں کی بارش کا منظر دیدنی ہوتا کہ وہ خدمت خلق سے غفلت برتنے والے خاکساروں کی سالار کے حکم پر دُرّے سے تواضع ہوتی دیکھ کر لوگ متاثر ہوتے کہ سالار کے حکم پر رضا کار دُرّے کھا رہے ہیں لیکن حکم کی تعمیل میں دُرّے کھا کے بھی اپنی کسی حرکت سے ناگواری کا کوئی تاثر نہیں دیتے کہ انہیں تو ہر حال میں امیر کے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ ادھر مجلس احرار کے رضا کار قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرنے اور نظمیں پڑھنے میں مصروف ہوتے۔ جماعتی نظم کو بہتر بنانے کے لیے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ پچھلے ہفتے کی کارروائی اور اگلے ہفتے کے پروگرام بھی زیر بحث آتے۔ اللہ بخش احراری کو سائیں حیاتؒ، خواجہ عبدالرحیم عاجز کی نظمیں جو انہوں نے قادیانیوں کے خلاف لکھیں اور عموماً احرار کے جلسوں میں پڑھی گئیں ازبر تھیں اور جب وہ جمعہ کے اس اجتماع میں

نظمیں پڑھتا تو لوگ بڑے محظوظ ہوتے اور کبھی کبھی قادیانیت مردہ باد کے نعروں سے بھی فضا گونج جاتی۔

مسلم لیگ کا شہر چنیوٹ میں ابتدا میں تو کوئی نظم نہیں تھا۔ ۱۹۴۶ء، ۱۹۴۷ء میں ان کی تنظیم نظر آئی۔ مجھے یاد ہے کہ ماسٹر شیر محمد میاں مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے اور شیخ غلام محی الدین صدر تھے۔ لیکن عوام میں ان کی کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی تھی۔ ہاں جب خضر حیات کے خلاف تحریک چلی جو صرف ایک ہفتہ تک ہی محدود رہی کہ خضر حیات نے اپنی والدہ کے کہنے پر پنجاب کی وزارتِ اعلیٰ کے منصب سے استعفیٰ دے دیا جو مسلم لیگ کا اس وقت مطالبہ تھا تو اس وقت مسلم لیگ نیشنل گارڈ بھی بن گئی اور کچھ سرگرمیاں مسلم لیگ کی طرف سے سامنے آئیں۔

امیر شریعتؒ کی خدمت میں پہلی حاضری:

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کو ہم سے جدا ہوئے پچاس برس گزر چکے ہیں۔ اس سارے عرصے میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ اُن کی پُرکشش شخصیت کی گرفت ڈھیلی پڑی ہو یا پھر اُن کی شخصیت کا سحر کم ہوا ہو یا پھر یاد نہ رہے ہوں۔ اس بات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شخصیت کتنی عظیم، کتنی پُراثر اور کتنی پُرکشش تھی۔ بلکہ گزرنے والا ہر دن ہمیں ان کے زیادہ قریب کرتا جا رہا ہے۔ قحط الرجال کے اس دور میں جب ہم اپنے چاروں طرف ایسی کوئی دوسری شخصیت نہیں پاتے جو اتنی پُرکشش اور پُروقار ہو یا کم از کم اس کے قریب تر ہو تو پھر وہ اور زیادہ یاد آتے ہیں اور دل و دماغ کو تڑپا جاتے ہیں۔ غرضیکہ اُن کی جدائی میں گزرتے ہوئے یہ ماہ و سال ہمیں بجائے ان سے دور لے جانے کے اور نزدیک لے آتے ہیں

یوں دل نشیں ہوا ہے وہ روشن ضمیر شخص
جاتا نہیں ہے دل سے روایات کی طرح

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے تعلق خاطر میری زندگی کا وہ سرمایہ اور خوش نصیبی ہے کہ اس پر مجھے فخر و ناز بھی ہے کہ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے پاس بیٹھ کر آدمی ان کی شخصیت میں گم ہو کر نہ جانے کس کیفیت میں مبتلا ہو جاتا کہ اپنے آپ کی خبر ہی نہیں رہتی تھی۔

وہ حسین لمحہ کہ جب میرے قریب
لذتِ ہمسائیگی تھی میں نہ تھا

وہ ہر لحاظ سے ایک بلند و بالا شخصیت تھی ''شاید اب کوئی نہ سمجھے گا کہ کیسا تھا وہ'' والی بات ہے بقولِ شورش ''شاہ جی سمجھنے کی نہیں پیار کرنے والی شخصیت ہیں'' انہوں نے اللہ کی مخلوق سے بے پناہ محبت کی ہے اور محبت بھی اللہ کی رضا کے لیے۔ کسی کا دل توڑنا کسی کو رنج پہنچانا، کسی کے لیے اذیت کا باعث بننا ان کے مسلک کے مطابق سب سے بڑا گناہ تھا۔ ان کے قریب آنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ جتنا شاہ جی اسے چاہتے ہیں اور کسی کو نہیں چاہتے اور جتنا میں ان کے قریب ہوں وہ اور کسی کے قریب نہیں ہیں۔ جس شخص نے انہیں جتنا قریب سے دیکھا وہ ان سے اتنا ہی متاثر ہوا۔ پھر یہ تاثر عارضی نہیں بلکہ دائمی اور مستقل ہے اور یہی بات ان کے خلوص اور ان کی انسانوں کے ساتھ دلی محبت کی بھی غماز ہے۔ جس کا بیّن ثبوت

یہ ہے کہ آج بھی جب ان کے جاننے والے اور ان کے پاس بیٹھنے والے لوگ ان کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہونے لگتی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے ہم نے انہیں کیوں اور کس سبب کے باعث اتنا چاہا کہ آج ان کی فرقت میں تڑپ تڑپ جاتے ہیں اور بے اختیار لبوں پر اسلم انصاری کے یہ شعر آ ہی جاتے ہیں

کہاں گئے وہ جنوں آشنا وہ دیوانے
بڑے اُداس ہیں یارو خرد کے ویرانے
عجب سزا ہے تری مختصر رفاقت کی
بھرے جہاں میں اکیلے ہیں تیرے دیوانے

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے زندگی میں پہلی دفعہ چنیوٹ میں اس وقت دیکھا جب میں چھے سات برس کا بچہ تھا۔ الٰہی بخش شہید (تحریکِ کشمیر ۱۹۳۰ء) کے بیٹے جوان کی شہادت کے بعد پیدا ہوئے میرے ساتھ تھے۔ وہ مجھ سے دو برس بڑے تھے۔ ہم دونوں احرار یونی فارم میں ملبوس تھے۔ مجھے یاد ہے شاہ جی نے ہمیں بہت پیار کیا اور ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔ وہ اس وقت الٰہی بخش شہید کو جو احرار کی تحریکِ کشمیر ۱۹۳۰ء کے پہلے شہید تھے کا ذکر کر کے ان کی جرأت اور بہادری کو اپنے معیار کے الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے اور ہم ان کے چہرے کی طرف ٹک ٹک دیکھ رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک مہتابِ مجسّم انسان کی شکل میں آسمان سے زمین پر اتر آیا ہے۔ شاید چاند میں بھی وہ عنائی نہ ہو جو اس متکلم چاند میں موجود تھی۔ آپ سے اس پہلی ملاقات کا اثر آج تک میرے دل و دماغ کی گہرائیوں میں محفوظ ہے اور وہ کیفیت میرے وجدان، میرے دل و دماغ کی گہرائیوں میں موجود ہے ایسی کیفیت، ایسا سرور شاید میں اپنے الفاظ میں بیان نہ کر سکوں فقط محسوس کرتا ہوں۔ شاید کیفیت نام ہی ایسی شے کا ہے جو الفاظ کے نرغے سے ماورٰی ہو۔

وہ ماورٰی نرغۂ الفاظ شخص تھا

دوسری ملاقات:

دوسری ملاقات بھی تقسیم ملک سے پہلے چنیوٹ میں ہی ہوئی تھی۔ جب ۱۹۴۶ء کا انتخابی یدھ اپنے پورے عروج پر تھا۔ وہ چنیوٹ تشریف لائے تو مجلس احرارِ اسلام کا جلسہ عام شاہی مسجد کے عقب میں شاہی منڈی میں ہوا تھا۔ خان مظہر نواز خان درّانی آپ کے ہمراہ تھے، انہیں وہ ملتان سے ساتھ لائے تھے۔ وہ سٹیج پر آپ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ مظہر نواز درّانی احرار کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شاہ جی کی تقریر سے پہلے خواجہ عبدالرحیم عاجز مرحوم نے جنہیں میں نے پہلی دفعہ دیکھا تھا مخصوص انداز میں اپنی پنجابی نظم پڑھی تھی

لڑناں لڑناں احرار نے الیکشن والا جنگ

بے پناہ مجمع تھا لیکن اتنی ہی خاموشی تھی۔ سب کی نظریں امیر شریعتؒ پر لگی ہوئی تھیں آپ نے حسب معمول آخری تقریر کی۔ یہ تقریر اگرچہ بظاہر انتخابی تقریر تھی لیکن انتخابی تقریر تو کم تھی۔ انتخاب کے بارے میں مختصر بات ہوئی، انگریز اور انگریز کے ٹوڈی خصلت سیاست دانوں کو زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں انگریز

دشمنی کا پودا کاشت ہوا اور آج اللہ کے فضل و کرم سے جب میں بوڑھا ہو چکا ہوں، انگریز دشمنی کا یہ پودا ایک تناور درخت بن کر جوان ہو چکا ہے۔ ساری عمر جو کچھ پڑھا اور جو کچھ بھی میرے مشاہدے اور تجربے میں آیا وہ سب کچھ اس بات کی تائید میں ہے کہ اس دھرتی پر ملّت اسلامیہ کا اور امّتِ محمدیہ کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہی ہے جس سے خیر کی توقع بلکہ اس کا تصور بھی گناہِ عظیم ہے۔ امیر شریعتؒ نے بھی اپنے تجربے کی بنیاد پر یہ کہا تھا کہ:

”اگر میں اپنی آنکھوں سے کسی شخص کو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے آسمان سے اترتا ہوا دیکھوں اور یہ شخص آبِ زمزم سے غسل کرتا ہو، غلافِ کعبہ کا لباس زیب تن کرتا ہو لیکن اس کے کسی قول یا فعل سے مجھے انگریزوں کی اطاعت کی بو آجائے تو اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایسے شخص کی مخالفت کرنا میں اپنا جزو ایمان سمجھتا ہوں۔ یہ ظالم کم گہرے پانی میں دھکا دیتا ہے ہاتھ پکڑ کر باہر نکالتا ہے، اعتماد بحال کرتا ہے اور پھر گہرے پانی میں دھکا دیتا ہے، لعنت بر پدرِ فرنگ“

یہی وجہ ہے کہ جو کچھ بھی آپ نے اپنی زندگی میں کہا تھا وقت کے ساتھ ساتھ درست ثابت ہو گیا اور ان کے اس وقت کے نکتہ چیں آج اُن کے خوشہ چیں ہیں۔

ہے حقیقت بس وہی جو تونے کر دی تھی بیاں
اور سب کچھ وقت کی آنکھوں میں تھا مثلِ سراب
تجھ پر جو الزام تھا رد ہو گیا ہے وقت سے
تیرے نکتہ چیں ہوئے ہیں شرم سے اب، آب آب

اس دفعہ بھی شاہ جی کا قیام اسلامیہ ہائی سکول چنیوٹ میں تھا۔ جب وہ اسلامیہ سکول کی طرف جا رہے تھے تو پورا بازار ان کا دیدار کرنے والے لوگوں سے بھر گیا تھا۔ لوگ باری باری آتے اور ان سے مصافحہ کرتے آپ ہر ایک کو مسکرا کر ملتے۔ ایسے میں آپ کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس کو لوگوں کی بھیڑ آپ تک آنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ کوشش کرتا لوگ اسے دھکیل کر پرے کر دیتے، آپ نے کہا کہ دیکھو بھائی اب میں کسی سے مصافحہ نہیں کروں گا، انہیں میری طرف آنے دو، راستہ دو۔ لوگ آگے سے ہٹ گئے درمیان میں ایک راستہ بن گیا اس شخص کا نام عطا محمد تھا۔ آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا۔ بڑے طمطراق سے لوگوں کے درمیان سے شاہ جی تک پہنچے، شاہ جی نے مصافحہ کے بعد انہیں گلے سے لگایا، پانچ چھ منٹ تک نہ جانے کیا باتیں اس سے کرتے رہے اور اس کے بعد دوسرے لوگوں سے مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ آپ کا یہی اندازِ دلربائی تھا کہ لوگ آپ پر فریفتہ ہو جاتے اور آپ کے ایک حکم پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہو جاتے۔ قید و بند تو بعد کی بات ہے۔ قدرت نے انہیں ان تمام خوبیوں سے نوازا تھا جو کہ ایک قائد میں ہونی چاہییں۔ علامہ اقبال نے ان خوبیوں کو کس خوبصورتی صرف ایک شعر میں جمع کر دیا ہے

نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

میرے خیال کے مطابق سخن کے دل نواز ہونے کی خوبی باقی دونوں خوبیوں پر بھاری ہے۔ اگر گفتگو میں محبت اور چاشنی نہ ہو تو پھر نگاہ کی بلندی اور جاں کی پرسوزی کام نہیں آتی۔ دونوں خوبیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں لیکن کمال تو یہ ہے کہ

امیر شریعت کی شخصیت میں یہ تینوں خوبیاں بیک وقت اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمادیا: ''کہ اے میرے محبوب اگر تیری گفتگو میں چاشنی نہ ہوتی تو لوگ تیرے قریب بھی نہ آتے''

بات امیر شریعت کی چنیوٹ میں آمد پر ہو رہی تھی۔ آپ کا قیام اسلامیہ ہائی سکول کے بڑے کمرے میں تھا۔ جہاں ہر وقت لوگوں کا ایک تانتا بندھا رہتا۔ کچھ لوگ آپ کی محفل میں آتے جاتے رہتے اور محفل اپنے عروج پر رہتی۔ میں بھی وہاں موجود رہتا تھا اور اپنی بساط کے مطابق محفل سے لطف اندوز اور مستفیض ہوتا۔ نہ جانے وہ کیا جاذبیّت تھی جو محفل سے اٹھنے ہی نہیں دیتی تھی۔ شاہ جی کی گفتگو میں بلا کی چاشنی، مٹھاس اور محبت تھی۔ لوگ شاہ جی کی باتوں پر سر دھنتے تھے۔ اس محفل میں بھی بعض اوقات تقریر جیسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ کبھی سنجیدہ گفتگو کرتے تو لوگوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے اور جب کبھی ہنسنے ہنسانے پر آجاتے تو ارد گرد بیٹھنے والے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جایا کرتے۔

ایک مرتبہ آپ کی محفل میں سر سکندر وزیر اعلیٰ پنجاب کا ذکر آیا مجھے یاد ہے کہ شاہ جی فرما رہے تھے:

''میں نے زندگی میں کسی کے لیے بد دعا نہیں کی۔ میری عادت ہے میں لوگوں کی زیادتیاں معاف کر دیا کرتا ہوں۔ یہ بات میری فطرت کے خلاف ہے کہ میں کسی سے ذاتی انتقام لوں۔ میری دوستی اور دشمنی اللہ کی رضا ہی کے لیے ہے لیکن اگر میں نے زندگی میں کسی کے لیے بد دعا کی تو وہ سکندر حیات کے لیے (اور اس جیسے دو تین اور آدمیوں کے لیے) سکندر حیات انگریز کا ٹوڈی تھا اس نے انگریز کے باغی مسلمانوں پر جھوٹے مقدمے بنائے اور انہیں ظالمانہ سزائیں دلوائیں۔''

اس بد دعا کا اثر لوگوں نے دیکھا کہ سردار شوکت حیات دوسری جنگِ عظیم میں فوج میں بھرتی ہوا اور جرمنی میں گرفتار کر لیا گیا۔ انگریز نے بڑی کوشش کے بعد کئی جرمنی قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں سردار شوکت حیات کو رہا کرایا۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ جس دن امیر شریعت سکندر حیات کی سازش سے قائم کیے گئے مقدمے سے رہا ہوئے ان دنوں ہی سردار شوکت حیات جرمنی میں قید ہوا۔ غالباً امیر شریعت کا ہی تبصرہ تھا:

''قربان جائیے اللہ تعالیٰ کے جب یہ فقیر کا بیٹا قید سے رہا ہوا تو امیر (سر سکندر حیات کا بیٹا) قید ہو گیا۔ اور پھر یہی سردار شوکت حیات جس دن دلہا بن کے اپنی شادی کی تقریب میں مصروف تھا اسی دن سر سکندر حیات کی موت سے شادی والا گھر ماتم کدے میں تبدیل ہوا۔ جہاں خوشی کے ترانے گائے جا رہے تھے وہاں سر سکندر حیات کی موت پر نوحہ خوانی شروع ہو گئی۔ اس کے بعد اس خاندان کے مرد و زن جن حالات کا شکار ہو کر زندگی سے موت تک پہنچے وہ ایک الگ داستان ہے۔

شاہ جی جب بھی چنیوٹ تشریف لاتے مجھے خبر ہو جاتی۔ کیونکہ ان کی قیام گاہ اور جلسہ گاہ میرے گھر کے قریب ہی تھی۔ پھر شاہی بازار اور محلے کے احرار رضا کاروں کے ساتھ میرا ہر وقت رابطہ قائم رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے شاہ جی کے آنے کے پروگرام کا مجھے پہلے ہی پتہ چل جاتا تھا۔ شاہ جی جب بھی چنیوٹ تشریف لاتے تو آپ کی فرمائش ہوتی کہ مجھے سعید کے پکے ہوئے چنے جو انتہائی لذیذ ہوتے تھے کھلاؤ اور کہیں سے بخش الٰہی کو ڈھونڈ کے لے آؤ۔ چونکہ میں رضا کاروں میں سب سے چھوٹا تھا اس لیے کاموں کے لیے مجھے ہی کہا جاتا تھا۔ چنے کی دکان قریب ہی مسلم بازار میں ہوتی تھی آسان

کام تھا میں بڑی خوشی سے جا کر لے آتا۔ لیکن بخش الٰہی کو ڈھونڈھ کر لانے کا کام ذرا مشکل تھا۔

بخش الٰہی (مجذوب)

بخش الٰہی ہمارے شہر کا ایک مشہور مجذوب تھا۔ چنیوٹ کی شیخ برادری سے ان کا تعلق تھا۔ بخش الٰہی اپنی حالت میں مست گلیوں اور بازاروں میں اکثر گھومتا رہتا تھا۔ کوئی اس کا مستقل ٹھکانہ تو نہ تھا گھر میں وہ ٹکتا نہیں تھا۔ کبھی کبھی لوگ اسے تقریر کے لیے کہتے تو وہ بازار میں کسی دکان کے تھڑے پر کھڑا ہو کر تقریر شروع کر دیتا۔ تقریر میں مسلمانوں کو ان کی غیرت و حمیت کا احساس دلاتا اور بے پردہ خواتین کی مذمت کرتا۔ تقسیم ملک کے بعد جب قادیانی اس وقت کے ''ربوہ'' موجودہ ''چناب نگر'' آباد ہوئے تو پھر وہ اپنی تقریر میں مرزائیت کے خلاف بہت کچھ کہہ جاتا، لوگ اس کی تقریر سن کر اسے داد دیتے اور وہ اس پر خوش ہو کر کسی اور بازار کی سمت چلا جاتا۔ کبھی کبھی اپنے گھر کی چھت پر بھی کھڑے ہو کر تقریر کیا کرتا تھا۔ لوگ اس کے ارد گرد کھڑے ہو کر بڑے شوق سے اس کی تقریر کو سنتے تھے۔ اور کہتے کہ ہے تو مجذوب مگر باتیں درست کرتا ہے۔

شاہ جی جب بھی چنیوٹ تشریف لاتے بخش الٰہی سے ضرور ملاقات کرتے۔ نہا دھو کر جب تشریف فرما ہوتے تو بخش الٰہی کو تلاش کرنے کا کہتے، یہ فریضہ بھی عموماً مجھے ادا کرنا پڑتا۔ عجیب اتفاق ہے کہ جب میں اس کی تلاش میں نکلتا تو سوچتا کہ گھر میں وہ بیٹھتا نہیں ہے، اسے کیسے تلاش کروں؟ وہ نہ جانے کہاں ہوگا؟ اور میں کہاں مارا مارا پھرتا پھروں گا۔ مجھے یہ کام مشکل معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کے بعد ہوتا یہ تھا کہ وہ مجھے قریب ہی کہیں مل جاتا اور میں خوشی سے اچھل کر اسے کہتا: ''او بخش الٰہی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری آئے ہوئے ہیں۔ تجھے بلاتے ہیں'' وہ عجیب انداز میں میری طرف دیکھتا اور پھر ہنس کر کہتا: ''ہاں ہاں چلو چلو بخارا بخارا، یار ہے اپنا یار ہے'' بخاری کی بجائے وہ ہمیشہ شاہ جی کو بخارا کہتا۔ اور کبھی کبھی بخارا زندہ باد بھی کہتا۔ میں اسے لے کر فوراً شاہ جی کے پاس پہنچ جاتا۔ شاہ جی جب اسے دیکھتے تو اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور اس سے بغل گیر ہو کر بڑے اہتمام سے ملتے۔ بڑے انہماک کے ساتھ اس سے گفتگو فرماتے تھے۔ یہ گفتگو بھی بڑی عجیب ہوتی۔ سوال گندم جواب چنا کی مصداق شاہ جی کچھ کہتے وہ کچھ اور کہہ دیتا، کبھی کبھی سر ہلا کر فقط ہاں، ہاں ہی جواب میں کہتا۔ بہر حال یہ گفتگو بھی پُر لطف ہوتی۔ پھر یہ بخش الٰہی، شاہ جی کی ہر تقریر میں موجود ہوتا تھا۔ آپ کی پوری تقریر سنتا تھا۔ لوگ اس پر حیران ہوتے کہ مجذوب آدمی جس کو کسی لمحے چین نہیں کئی گھنٹے مسلسل بیٹھ کر شاہ جی کی تقریر کیسے سن لیتا ہے۔

ایک مرتبہ تو میں بہت حیران ہوا کہ شاہ جی نے ''ماڑی انڈس'' گاڑی سے رات کے ایک بجے چنیوٹ پہنچنا تھا۔ میں بھی ضد کر کے رضا کاروں کے ہمراہ رات کو ریلوے سٹیشن پر چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بخش الٰہی ہم سے پہلے ہی پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی کہا بخش الٰہی شاہ جی آ رہے ہیں۔ جواب اس کا وہی تھا:

''ہاں ہاں بخارا بخارا، یار ہے اپنا یار ہے'' بخش الٰہی بازار میں کبھی کبھی سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعرے بھی لگاتا۔ کبھی لوگوں کے کہنے پر اور کبھی خود بخود اور کسی دوسرے لیڈر کا نام لے کر اگر اسے کہا جاتا تو وہ خاموش رہتا اور جواب تک نہ دیتا۔ بلکہ مردہ باد بھی کہہ دیتا تھا۔ یعنی اس کے خیال میں صرف سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہی زندہ باد تھے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ (جاری ہے)

قادیانیوں کے حج کے مقاصد

عبدالرحمٰن یعقوب باوا (لندن)

دسمبر ۲۰۰۶ء کا واقعہ ہے کہ جب جدہ میں قادیانیوں کے دو مراکز پر سعودی عرب کی سیکیورٹی فورس نے چھاپہ مار کر تقریباً ۶۰ سے زائد قادیانیوں کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا تھا۔ بیشتر کا تعلق بھارت اور بنگلہ دیش سے تھا۔ یہ لوگ ملازمت کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے۔ جدہ میں قادیانیوں کی تنظیم خفیہ طور پر قائم تھی۔ جہاں اُن کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ قادیانیوں کے بارے میں پوری اُمت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اُن کا اسلام سے ہرگز تعلق نہیں، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی نے ۱۹۷۴ء میں ایک قرارداد میں کہا تھا کہ قادیانی، مسلمان نہیں اور یہ کہ اُن کو حرمین شریفین میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی نیز پاکستان کی پارلیمنٹ نے ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلان کیا تھا۔ اس کے علاوہ متعدد عدالتوں نے بھی اُنہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔ اس لئے قادیانی حرمین شریفین میں داخلے کے حقدار نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا''۔(سورۃ التوبہ ۲۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو مشرک جو ہیں وہ پلید ہیں۔ سو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد''۔

یہ ایک قرآنی حکم ہے کہ کسی غیر مسلم کو حدودِ حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے علاوہ سعودی حکومت نے حدودِ حرم پر ''غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع'' کا بورڈ آویزاں کر رکھا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر قادیانی حدودِ حرم میں داخل ہوتے ہیں تو یہ سعودی قانون کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہیں۔ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو ''ظلی نبی اور رسول'' مانتے ہیں اور مرزا غلام احمد نے قادیان کے جلسہ سالانہ کو نفلی حج قرار دے رکھا ہے اور قادیانی خلیفہ دوم مرزا محمود کے نزدیک جلسہ سالانہ ''ظلی حج'' ہے۔ ویسے بھی مرزا محمود کے نزدیک '' مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک'' ہو چکا ہے۔

لیجئے حوالاجات ملاحظہ فرمائیے:

۱...... ''لوگ معمولی اور نفلی طور پر حج کرنے کو بھی جاتے ہیں مگر اس جگہ (یعنی قادیان) نفلی حج سے زیادہ ثواب ہے اور غافل رہنے میں نقصان اور خطر کیونکہ سلسلہ آسمانی اور حکم ربانی ہے''۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن، جلد ۵ ص ۳۵۲)

۲...... ''اصل میں جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں اُن کی خدمت میں دین سیکھنے کے واسطے جانا بھی ایک طرح کا حج ہی ہے''۔ (ملفوظات، جلد ۵ ص ۱۵۵)

قادیانی خلیفہ دوم مرزا محمود کہتا ہے کہ:

۳...... ''چونکہ حج پر وہی لوگ جاسکتے ہیں جو مقدرت رکھتے ہیں اور امیر ہوں حالانکہ الٰہی تحریکات پہلے غرباء میں ہی پھیلتی اور پنپتی ہیں اور غرباء کو حج سے شریعت نے معذور رکھا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ظلی حج مقرر کیا۔ وہ

قوم جس سے وہ اسلام کی ترقی کا کام لینا چاہتا ہے اور تا وہ غریب یعنی ہندوستان کے مسلمان اس میں شامل ہو سکیں...... اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ظلی حج مقرر کیا اور اس کا مرکز قادیان میں رکھا''۔ (خطبات محمود، جلد ۱۳، ص ۶۲۹)

۴...... ''آج جلسہ کا پہلا دن ہے اور ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ حج اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی ترقی کے لئے مقرر کیا تھا۔ آج احمدیوں کے لیے دینی لحاظ سے حج تو مفید ہے۔ مگر اس سے جو اصل غرض قوم کی ترقی کی تھی وہ اُنہیں حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حج کا مقام ایسے لوگوں کے قبضہ میں ہیں جو احمدیوں کو قتل کر دینا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام (حج) کے لیے مقرر کیا ہے۔ ہمارے آدمیوں میں سے جن کو خدا تعالیٰ توفیق دیتا ہے حج کرتے ہیں مگر وہ فائدہ جو حج سے مقصود ہے وہ سالانہ جلسہ پر ہی آ کر اُٹھاتے ہیں'' (خطبات محمود، جلد ۴، ص ۲۵۴)

ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک ''ظلی حج'' قادیانیوں کا جلسہ سالانہ ہے۔ قادیانیوں کے لئے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کا کیا مقام ہے اور دلوں میں کتنی عزت اور محبت ہے وہ ملاحظہ فرمائیے: مرزا محمود لکھتا ہے

''خدا تعالیٰ نے قادیان کو تمام دنیا کی بستیوں کی اُمّ (یعنی ماں) قرار دیا ہے۔ اس لئے اب وہی بستی پورے طور پر روحانی زندگی پائے گی جو اس کی چھاتیوں سے دودھ پیئے گا...... حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے اس کے متعلق بڑا زور دیا ہے۔ اور فرمایا کہ جو بار بار یہاں نہیں آتے۔ مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے۔ پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا۔ وہ کاٹا جائے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے۔ پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا۔ آخر ماؤں دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں''۔ (حقیقۃ الرویا، ص ۴۶)

ابھی کچھ عرصہ سے مسلسل یہ اطلاع مل رہی ہے کہ قادیانی دنیا کے مختلف ملکوں سے حج و عمرہ کے سفر کرتے ہیں۔ پاکستان سے اُن کے لئے ممکن نہیں اس لیے کہ پاکستان کے پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ موجود ہے۔ چنانچہ حال ہی میں قادیانی ٹریول ایجنسیوں نے حج و عمرہ پیکج فراہم کرنے کا اشتہار شائع کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ ان ایجنسیوں نے حج و عمرہ پیکج کا لائیسنس کس طرح حاصل کیا؟ اس کی تحقیق ہونی چاہیئے۔ جہاں تک قادیانیوں کا حج و عمرہ کے لیے سفر کرنا یا پھر بسلسلہ ملازمت مقیم ہونا یہ نہ صرف امت مسلمہ کے لیے باعث تشویش ہے بلکہ حکومت سعودیہ کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ کیونکہ قادیانیوں کی سازشیں نہایت گہری ہیں اور حج و عمرہ کے جو مقاصد ہیں اس کی ایک جھلک درج اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے۔

مرزا محمود کہتا ہے:

''بچپن سے میرا یہ خیال ہے کہ جس کا میں نے دوستوں سے بارہا ذکر کیا ہے کہ میرے نزدیک احمدیت کے پھیلنے کے لیے اگر کوئی بڑا مضبوط قلعہ ہے تو مکہ مکرمہ ہے اور دوسرے درجہ پر پورٹ سعید۔ اگر کوئی شخص وہاں چلا جائے تو ساری دنیا میں احمدیت پہنچا سکتا ہے۔ وہاں سے ہر ملک کا جہاز گذرتا ہے۔ ٹریکٹ تقسیم کئے جائیں۔ اس طرح ایسے ایسے علاقوں میں حضرت صاحب (یعنی مرزا قادیانی) کا نام پہنچ جائے۔ جہاں ہم مدتوں نہیں پہنچ سکتے۔ مگر مکہ مکرمہ سب سے بڑا مقام ہے وہاں کے لوگ ہمارے بہت کام آ سکتے ہیں''۔ (خطبات محمود، جلد ۷، ص ۶۸)

اب بخوبی واضح ہو گیا کہ حج میں قادیان کی کیا حیثیت ہے اور قادیانی جو حج و عمرہ پر جاتے ہیں یا وہاں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم ہوتے ہیں۔ اس کے مقاصد کیا ہوتے ہیں۔ یہی کوشش ہوتی ہے کہ حرمین شریفین اور سعودی عرب کے مسلمانوں کو قادیانی بنالیں اور ان اسلامی مراکز کو قادیانی تبلیغ کا مرکز بنالیں۔ اس لیے تمام مسلمانوں کو قادیانی چالوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

قادیانی جماعت بیرون ملک پاکستان کا تشخص بگاڑنے میں مصروف ہے

مولانا سہیل باوا (لندن)

مغرب بھر میں پاکستان عالم اسلام کے بارے میں خبریں تو شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن اکثر منفی نکتہ نظر سے شائع ہوتی ہیں جیسا کہ یہاں کے میڈیا پر پاکستان میں دہشت گردی اور انتہا پسندی کے بارے میں انتہائی منفی انداز میں خبریں شائع ہورہی ہیں جن کا کسی حلقے کی طرف سے مؤثر طور پر جواب بھی نہیں دیا جا رہا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ قادیانی اہل مغرب کے سامنے اپنی مظلومیت کا رونا رو کر غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی آئینی ترمیم کو ختم کرانے کی بھیک مانگانے کی کوشش میں ہے۔ دوسری طرف انکے سیاسی عزائم اور منصوبے نہایت شدت سے اور منظّم طریقے سے جاری ہیں اور اہل مغرب سے اسلامیان پاکستان کے خلاف بھیانک سازش کی تکمیل کرانا چاہتے ہیں، اسوقت پوری دنیا میں قادیانی پاکستان کے امیج کو بگاڑنے کے لئے لابنگ کر رہی ہے، اور اس کے لئے تمام تر وسائل وذرائع پاکستان کے خلاف جھونک دیے ہیں ، اسی لابنگ کی ایک کڑی یورپین پارلیمنٹ کا اجلاس تھا جو کہ ۲۰ ستمبر ۲۰۱۱ء بلجیم میں منعقد ہوا اس اجلاس میں دنیا بھر کے ملکوں کے نمائندے ممبران پارلیمنٹ اور ماہر تعلیم سے تعلق رکھنے والے ۳۰۰ کے قریب تعداد موجود تھی، اس اجلاس کی خاص بات یہ تھی کہ اراکین پارلیمنٹ پورے اجلاس میں قادیانیت کی بولی بول رہے تھے، ایک الزام پاکستان کے مسلمانوں پر، حکومت پر اور پاکستان کے دستوری اور قانونی ڈھانچے پر پورے شدمد کے ساتھ دہرایا جاتا رہا کہ پاکستان میں قادیانیوں کے انسانی حقوق پامال کردیے گئے ہیں اور ان کے شہری حقوق معطل ہوگئے ہیں اور قادیانیوں کے ہیومن رائٹس ختم کردئے گئے ہیں، لاہور میں ہونے والا افسوسناک واقعہ بھی سرفہرست ہے۔ اپنی فرضی مظلومیت کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرنا بھی قادیانیوں کی ایک خاص عادت ہے، جولوگ قادیان میں ایک فرضی محمد رسول اللہ کھڑا کرنے سے نہیں شرماتے ان کو خلاف واقعہ غلط پروپیگنڈہ کرنے سے کیا عار ہوسکتی ہے؟۔ ایسا لگتا ہے کہ بین الاقوامی برادری کو نام نہاد مظلومیت کا ڈرامہ کرکے مغربی میڈیا اور اراکین پارلیمنٹ کو اپنی منہ کی بات بولنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ اسی اجلاس میں بلجیم میں مقیم پاکستانی سفیر محترم جناب جلیل عباس جیلانی صاحب نے بڑی ہی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خطاب میں قادیانیوں کی طرف سے لگائے گئے بے بنیاد الزام کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں تمام اقلیتوں کو ہر قسم کے شہری حقوق حاصل ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے، جس پر قادیانی گروہ نے ٹیبل بجاتے ہوئے حلق پھاڑ کر سفیر پاکستان پر .shame shame

کے نعرے اور آوازیں لگانا شروع کر دیں، جس پر پاکستانی سفیر محترم جناب جلیل عباس جیلانی صاحب walkout پر مجبور ہوگئے، اس افسوسناک واقعہ نے بھی قادیانیت کی پاکستان سے بغض وعناد کی ایک گھناؤنی مثال قائم کردی۔ احقر صرف صدرِ مملکت جناب آصف علی زرداری صاحب اور وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی صاحب سے درخواست کرتا ہے کہ قادیانی گروہ کی اس حرکت پر سفارتی طریقہ کار اختیار کر کے از خود نوٹس لیں۔ قادیانی جماعت کے اس شور سے مجھے ۷ر اکتوبر ۲۰۰۵ء کو منڈی بہاؤالدین کا واقعہ یاد آ گیا جس میں قادیانی عبادت گاہ پر حملہ ہوا تھا۔ حملہ آور خود قادیانی تھے جن کی آپس کی دشمنیاں تھیں لیکن قادیانی جماعت نے دہشت گردی کا الزام لگا کر پوری دنیا میں پاکستان کو بدنام کیا۔ بعد میں پولیس تفتیش سے ثابت ہوگیا کہ ان کی آپس کی اپنی دشمنی تھی۔ جب مسلمانوں پر الزام ثابت نہ ہوا تو قادیانی جماعت نے ایک منحرف شدہ قادیانی راجہ عامر محمود عرف شہزاد پر اس دہشت گردی کا جھوٹا الزام لگا دیا اور قادیانیوں نے اپنی ایف آئی آر میں یہ بھی لکھوایا کہ راجہ عامر ڈیڑھ سال قبل منحرف ہوگیا تھا اس لیے وہ بھی ملزم ہے۔ راجہ عامر محمود بھی عدالت سے بری ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں کے بارے میں جس میں راجہ عامر بھی شامل ہے آج بھی قادیانی ویب سائٹس پر جھوٹی خبریں نہ صرف موجود ہیں بلکہ قادیانی جماعت اپنے اسائلم کے کیسوں میں ان کو بطور ہتھیار استعمال کر رہی ہے، وہ اپنے لوگوں کی سیاسی پناہ کے لیے اسلامی ملکوں کے خلاف بالعموم اور پاکستان کے خلاف بالخصوص پروپیگنڈہ جاری رکھتی ہے، آج کل اسی خصوصیت کے ساتھ انڈونیشیا کو بھی نشانے پر رکھا ہوا ہے۔ بعض ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ اسی طرح نواب شاہ کے امیر کے بھی اپنی برادری کے ساتھ اختلافات تھے اور ڈاکٹر صدیقی کی موت کے پیچھے بھی قادیانیوں کا اپنا ہاتھ ممکن ہے کیونکہ وہ ان دونوں مقتولین کی موت کو بھی اپنے لیے ہمدردی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں تاکہ قادیانی جماعت کے لوگوں کو اب اسائلم حاصل کرنے میں جو مشکلات پیش آ رہی ہیں ان کے تدارک کے لیے ان خبروں کو استعمال کیا جائے یہ اسائلم کا کھیل قادیانی جماعت کے لاکھوں ڈالر ماہانہ آمدن کا معاملہ ہے، اور جہاں پیسہ ہو وہاں تو مرزا قادیانی بھی رشتے ناطے کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ پاکستانی پولیس کو چاہیے کہ وہ تفتیش میں اس پہلو کا خاص خیال رکھے کہ کہیں لڑائی جھگڑے کے واقعات میں قادیانی جماعت کا اپنا ہاتھ تو نہیں رہا ہے۔

ویسے بھی قادیانی قیادت اپنی جماعت کے ممبروں کو اسائلم دلوانے کے لیے جعلی ایف آئی آر بھی کٹواتی رہی ہے اور کئی دوسرے حربے استعمال کرتی رہی ہے۔ لاکھوں ڈالر ماہانہ کی کشش بلاوجہ نہیں پاکستان میں اگر ایک قادیانی سو روپیہ چندہ دے گا تو یورپ میں کم از کم سو یورو یا سو پاؤنڈ دے گا۔ اب آپ فرق خود دیکھ لیں۔

ادارہ

اخبار الاحرار

اسلام آباد (۱۲/اکتوبر ۲۰۱۱ء) مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے حضرت مولانا سمیع الحق کی دعوت پر پاکستان ڈیفنس کونسل کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کی۔ بعدازاں لاہور سے ہوتے ہوئے رات ایک بجے بستی جملیرا تحصیل بورے والہ ضلع وہاڑی میں پہنچے اور ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کے بعد صبح چار بجے چیچہ وطنی پہنچے۔ راولپنڈی میں احرار ساتھیوں جناب خادم حسین، جناب خالد کھوکھر، جناب ضیاء الحق، جناب ناصر اور دیگر سے ملاقات کی جبکہ رات کو جلسہ میں بورے والہ کے صدر احرار صوفی عبدالشکور صاحب کارکنوں کے ہمراہ تشریف لائے۔

☆☆☆

چیچہ وطنی (۱۳/اکتوبر) مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے ''دفاعِ پاکستان کونسل'' کے قیام کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ملک اسلام کے نفاذ کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا اور اسلام کے نفاذ سے ہی اس کی سلامتی و بقاء ممکن ہے۔ احرار میڈیا سنٹر چیچہ وطنی میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ممتاز قادری کو انسداد دہشت گردی کی عدالت سے سنائی جانے والی سزا کو اسلام آباد ہائی کورٹ نے معطل کر کے امت مسلمہ کے ایمان و عقیدے کی ترجمانی ہے، انہوں نے کہا کہ ''آسیہ مسیح'' کیس میں سلمان تاثیر نے جو کردار ادا کیا وہ شرمناک ہے اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے کہ گستاخانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رعائت اور چھوٹ دی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ غازی ممتاز قادری کیس پر بین الاقوامی قوتیں اور سیکولر حلقے اثر انداز ہونے کی سازشیں کررہے ہیں۔ ان کے مقدمے کی پیروی کرنے والی ٹیم اور وکلاء کو زیادہ مستعد رہنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ چناب نگر کو دوبارہ ربوہ بنانے کی سازش ہورہی ہے۔ حکومت قادیانیوں اور دین دشمنوں کی سرپرستی کررہی ہے۔

☆☆☆

ملتان (۱۴/اکتوبر ۲۰۱۱ء) مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے کہا ہے کہ ممتاز حسین قادری اُمتِ مسلمہ کے ضمیر کی آواز ہے۔ اس آواز کو دبانے کی ہر سازش اور کوشش ناکام بنادی جائے گی۔ وہ دارِ بنی ہاشم میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کررہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ عالمی استعماری قوتیں اور ایجنسیاں ممتاز قادری کے مقدمے کو خراب کرنے اور اُسے پھانسی چڑھانے کی سازشیں کررہی ہیں۔ انھوں نے خبردار کیا کہ قوم ممتاز قادری کے مقدمے کو خراب نہیں ہونے دے گی۔ انھوں نے کہا کہ ہائی کورٹ کا فیصلہ خوش آئند اور اُمتِ مسلمہ کا ترجمان ہے۔

مقدمے کی از سرِ نو سماعت میں اصل حقائق قوم کے سامنے آجائیں گے۔

انھوں نے کہا کہ سلمان تاثیر اپنے قتل کے خود ذمہ دار تھے۔ انھوں نے تشدد آمیز زبان استعمال کی اور ایک سیکولر فاشسٹ کے طور پر استعماری قوتوں کی ترجمانی کی جس سے ممتاز قادری اور پوری قوم کے دینی جذبات مجروح ہوئے۔ سلمان تاثیر کا قتل اُن کی شدت پسندی کا نتیجہ ہے۔ سید کفیل بخاری نے کہا کہ تحریک تحفظِ ناموس رسالت جاری رہے گی اور ممتاز حسین قادری کی مکمل حمایت کی جائے گی۔ سید محمد کفیل بخاری نے ۱۹؍ اکتوبر کو ملتان میں ہونے والی ناموسِ رسالت کانفرنس سے بھی خطاب کیا جس کی صدارت ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر نے کی۔

☆☆☆

چیچہ وطنی (۱۸؍ اکتوبر) مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری اور سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ امریکہ سمیت یورپین ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام کی چکی میں پسنے والے عوام کی طرف سے احتجاج اور مظاہرے دراصل عالمی استحصالی نظام اور عالمی استحصالی اداروں کے خلاف عدم اعتماد ہے اپنے بیان میں انہوں نے کہا کہ ۸۲، ممالک کے ایک ہزار سے زائد شہروں میں پھیلتے ہوئے اِس فطری ردِعمل نے ظاہر کر دیا ہے کہ قرآنی و آسمانی تعلیمات کے بغیر دنیا میں امن وسکون نہیں ہوسکتا عالمی تجارتی اداروں اور یہودی وسودی معیشت کے مطابق بنکنگ سسٹم نے انسان کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انسانی نظام انسانوں کو اپنی غلامی میں لاتا ہے جبکہ الہامی نظام مخلوق کو مخلوق کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی سکھاتا ہے اور دنیا خود اس نتیجے پر پہنچ رہی ہے کہ انسانی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر الہامی قوانین کی اطاعت میں آجانا چاہیے انہوں نے کہا کہ پاکستان کے حکمرانوں کو بھی نوشتۂ دیوار پڑھ لینا اور امپریلزم اور شوشلزم کی بحث ترک کر کے اسلام کو بطور نظام ریاست وسیاست نافذ کر دینا چاہیے کہ اسی میں تمام انسانوں کی فلاح کا راز مضمر ہے، انہوں نے کہا کہ امریکی سامراج اور عالمی استبداد اپنے منطقی انجامِ بد کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے امن کا نام لے کر مظلوم طبقات کا استحصال کرنے والوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہیں، انہوں نے کہا کہ نظریۂ اسلام اور نظریۂ پاکستان دونوں ایک ہیں اگر پاکستان کو بچانا ہے تو کرپٹ حکمرانوں اور کرپٹ نظام سے چھٹکارا ضروری ہے۔

☆☆☆

لاہور (۲۰؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء) ضلع گجرات کے قصبے گولیکی (تھانہ کنجاہ) میں مسلح قادیانیوں نے گزشتہ روز (جمعرات کو) ایک مسلمان ماسٹر سرفراز احمد کو اُس وقت قتل کر دیا جب وہ اپنی ڈیوٹی پر سکول جارہے تھے، متحدہ تحریک ختمِ نبوت پاکستان کی مرکزی رابطہ کمیٹی نے قادیانیوں کے ہاتھوں مسلمان کے قتل کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے، بتایا جاتا ہے کہ ۱۹۹۵ء سے مسلمانوں اور قادیانیوں کے مابین مقدمہ اور جھگڑا چلا آرہا تھا اور ۱۹۹۵ء میں دائر ہونے والے مقدمے میں ۲۰۰۵ء میں سیشن جج گجرات نے 5 افراد کے علاوہ باقی ماندہ افراد کو باعزت طور پر بری کر دیا تھا گزشتہ روز قتل ہونے والے

ماسٹر سرفراز احمد بھی بری ہونے والے افراد میں شامل تھے اور وہ سزا ہونے والے مسلمانوں کے مقدمے کی قانونی پیروی بھی کررہے تھے قادیانیوں کو اِس کا رنج تھا یادرہے کہ سیشن کورٹ نے جن باقی ماندہ 5 افراد کو عمر قید اور سزائے موت کا حکم سنایا تھا لاہور ھائی کورٹ نے چند دن پہلے ان کو بھی باعزت طور پر بری کرکے رہا کرنے کا حکم صادر کیا تھا لاہور ھائی کورٹ کے برأت کے اِس فیصلے کی مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان مسجد کا تنازعہ بھی چل رہا ہے اور وہ عبادت گاہ سیل ہے۔ متحدہ تحریک ختم نبوت کی مرکزی رابطہ کمیٹی کے کنونیئر عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ صرف چناب نگر کے نہیں ملک بھر کے قادیانی قتل وغارت گری اور جارحیت پر اتر آئے ہیں قانون کے رکھوالے قادیانیوں کی غیر آئینی سرگرمیوں کو تحفظ دے رہے ہیں انہوں نے کہا کہ گزشتہ چند ماہ کے دوران قادیانیوں کے ہاتھوں یہ دوسرے مسلمان کا قتل ہے جس کا قانون کے مطابق نوٹس نہ لیا گیا تو اس علاقے جہاں یہ قتل ہوا ہے کے حالات بگڑنے کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان کے نائب امیر قاری شبیر احمد عثمانی اور مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات میاں محمد اویس نے کہا ہے کہ حکومت اس قسم کے واقعات کا فوری نوٹس لے اور اپنی غیر جانبداری کو یقینی بنائے تو ایسے واقعات کی روک تھام ہوسکتی ہے حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بعض معاملات خصوصاً امتناع قادیانیت ایکٹ کے نفاذ میں سنجیدہ نہیں ہوتی جس سے حالات میں کشیدگی بڑھتی ہے انہوں نے مطالبہ کیا کہ قاتل کو بلا تاخیر گرفتار کیا جائے اور پولیس اپنی غیر جانبداری کو یقینی بنائے۔

☆☆☆

گجرات (۲۱؍اکتوبر) ضلع گجرات کے قصبے گولیکی (تھانہ کنجاہ) میں قادیانیوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے ماسٹر سرفراز احمد کی نماز جنازہ ادا کردی گئی جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام، دینی جماعتوں کے کارکنوں اور علاقہ بھر سے مسلمانوں نے شرکت کی نماز جنازہ بعد نمازِ عشاء مولانا عبدالغنی نے پڑھائی یادرہے کہ جمعرات کو تحریک ختم نبوت کے علاقائی رہنما اور ممتاز دینی کارکن سکول ٹیچر ماسٹر چودھری سرفراز احمد کو قادیانیوں نے مسلح ہو کر اُس وقت قتل کردیا تھا جب وہ صبح اپنے گاؤں ''گولے کی'' سے اسکول جانے کے لیے موٹر سائیکل پر نکلے وہ اپنے گاؤں سے جیسے ہی شادی وال روڈ پر آئے تو پیچھے سے آنے والی ایک گاڑی میں سوار مسلح قادیانی دہشت گردوں نے ان پر فائرنگ کردی۔ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ قادیانیوں کی جارحیت اور قتل وغارت گری کا سدباب نہ ہونے سے ان کے حوصلے بڑھ گئے ہیں اور گزشتہ چند ماہ میں یہ دوسرا مسلمان قادیانیوں کے ہاتھوں شہید ہوا، مجلس احرارِ اسلام ضلع گجرات کے امیر حافظ ضیاء اللہ ھاشمی نے انسانی حقوق کی تنظیموں سے اپیل کی ہے کہ وہ اس مظلومانہ قتل کا نوٹس لیں اور بغیر کسی جانبداری سے میڈیا اس قتل کے اصل محرکات عوام کے سامنے لائے۔

ادارہ

مسافرانِ آخرت

☆ **والدہ مرحومہ مولانا عبدالحفیظ مکّی:** انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے امیر حضرت مولانا عبدالحفیظ مکّی مدظلہٗ کی والدہ ماجدہ ۱۳؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو مکّہ مکرّمہ میں انتقال کر گئیں۔ اُن کی نمازِ جنازہ حرم شریف میں ادا کی گئی اور جنت المعلیٰ میں تدفین ہوئی۔ ابن امیرِ شریعت قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری، جناب عبداللطیف خالد چیمہ اور سید محمد کفیل بخاری نے حضرت مکّی صاحب مدظلہٗ سے اظہارِ تعزیت کیا ہے اور مخدومہ ومرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی ہے۔

☆ **اہلیہ مرحومہ مفتی شفیق الرحمٰن صاحب** (جامعہ قادریہ، رحیم یار خان) انتقال ۱۱؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء

☆ **دادی مرحومہ مولانا جمیل الرحمٰن عبّاسی** بہاول پور۔ انتقال ۱۱؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء

☆ **میاں عبدالرحمٰن صاحب مرحوم** خطیب مسجد تلوار والی لاہور، ۸؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء ایک (حادثہ) میں انتقال کر گئے۔ مرحوم کے والد محبِّ احرار میاں محمد ابراہیم رحمۃ اللہ (جامع مسجد انارکلی لاہور) قدیم احرار کارکن تھے۔ انہوں نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بہت جرأت مندانہ اور مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ ۱۹۶۲ء میں چوک انارکلی میں یوم معاویہ منایا اور گرفتار ہوئے۔

☆ بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم ملتان کے ناظم جام ریاض احمد کی چچی صاحبہ۔ انتقال: ۳۰؍ ستمبر ۲۰۱۱ء

☆ مدرسہ معمورہ ملتان کے قدیم معاون اور ہمارے مخلص رفیق حاجی محمد اکرم انصاری (رنگ والے) انتقال: ۶؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء

☆ مجلس احرارِ اسلام لاہور کے کارکن سید امجد علی صاحب کی والدہ ماجدہ۔ انتقال ۲۲؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء

☆ **ماسٹر اللہ بخش صاحب مرحوم:** ناظم نشر واشاعت مجلس احرارِ اسلام کمالیہ۔ انتقال: ۶؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء

☆ میلسی کے سینئر صحافی پریس کلب میلسی کے سرپرست حاجی غلام مصطفیٰ عجمی کی اہلیہ اور میاں الطاف الرحمٰن، حفظ الرحمٰن اور شفیق الرحمٰن الہ آبادی کی والدہ ماجدہ ۷؍ اکتوبر ۲۰۱۱ء بروز جمعۃ المبارک انتقال کر گئیں۔

☆ **مولانا وحید الدین** مدرسہ ضیاء العلوم خانگڑھ کے مہتمم ستمبر کے آخر میں انتقال فرما گئے۔

☆ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی نائب امیر سید محمد کفیل بخاری اور سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے استاد الحدیث اور جمعیت علماء اسلام کے مرکزی رہنما مولانا عبدالمالک شاہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور کے رہنما میاں عبدالرحمٰن اور بزرگ احرار رہنما مولانا سید فضل الرحمٰن شاہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند جناب سید خالد مسعود گیلانی کے چھوٹے بھائی سید حبیب الرحمٰن مجاہد (سلانوالی) کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائیں۔ (آمین)

احباب وقارئین تمام مرحومین کے لیے دعاء مغفرت وایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ (ادارہ)

بیاد جدِ بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ — امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ بستانِ عائشہ

بانی
سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ
1989

کی تعمیر شروع ہے

چھے درس گاہیں، وضوخانہ اور طہارت خانے تعمیر ہو چکے ہیں۔ تین درس گاہوں کی تعمیر باقی ہے۔

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

★ طالبات کے بیٹھنے کے لیے فرنیچر اور کتابوں کی الماریوں کا کام جاری ہے

★ جامعہ میں وفاق المدارس کے نصاب کے مطابق شعبہ حفظ و ناظرہ، ترجمۂ قرآن و تفسیر اور فقہ کی تعلیم جاری ہے

مخیر حضرات

نقد رقوم، اینٹیں، سیمنٹ سریا بجری اور دیگر سامانِ تعمیر دے کر جامعہ کے ساتھ تعاون فرمائیں

نوٹ

اپنے عطیات، زکوٰۃ و صدقات جامعہ کو عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ تاکہ جامعہ کا تعلیمی سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہ سکے۔ (جزاکم اللہ خیر)

تخمینہ
30,00,000
(تیس لاکھ روپے)

فی کمرہ لاگت
3,00,000
(تین لاکھ روپے)

ترسیلِ زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621

الداعی الی الخیر
ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
مہتمم جامعہ بستانِ عائشہ ملتان

چناب نگر (سابق ربوہ) ضلع چنیوٹ قادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہاں آبادی کی اکثریت قادیانیوں کی ہے اور اُن کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد قلیل ہے۔ تمام ضروری وسائل پر قادیانیوں کا قبضہ ہے۔ شہر میں ایک ہی ہسپتال ہے جو قادیانیوں کا ہے اور مسلمانوں کو علاج معالجہ کی کوئی سہولت میسر نہیں۔

اس سنگین صورتِ حال کے پیشِ نظر مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام قائم رفاہی ادارے ''ختم نبوت ٹرسٹ'' نے فیصلہ کیا ہے کہ چناب نگر کے غریب مسلمانوں کو علاج کی بنیادی سہولیات مفت فراہم کرنے کے لیے ایک جدید ترین ہسپتال تعمیر کیا جائے گا۔

30 بیڈز پر مشتمل دومنزلہ ''مسلم ہسپتال'' میں

- ایمرجنسی وارڈ
- الٹراساؤنڈ
- ایکسرے
- ای سی جی
- ٹیسٹ لیبارٹری
- آپریشن تھیٹر
- ایمبولینس
- میڈیکل سٹور

اور دیگر تمام سہولتیں میسر ہوں گی۔

فری ڈسپنسری، ایمرجنسی

فوری طور پر ایک مکمل فری ڈسپنسری، ایمرجنسی آئندہ چھے ماہ میں ان شاء اللہ مکمل کر لی جائے گی۔ ڈسپنسری کی عمارت کا ماڈل اور نقشہ پیشِ خدمت ہے۔ اس کے فوراً بعد ہسپتال کی تعمیر شروع کر دی جائے گی۔ ہسپتال کے لیے مزید اراضی کی خرید کے لیے کوشش جاری ہے۔

ڈسپنسری کی تعمیر کا تخمینہ لاگت تقریباً پینتیس لاکھ روپے اور ہسپتال کی تعمیر پر خرچ کا تخمینہ تقریباً تین کروڑ روپے ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس کارِ خیر کی تکمیل میں اللہ کی رضا کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

رابطہ

بذریعہ بینک
بنام سید محمد کفیل بخاری / میاں محمد اویس
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0112686-5
یو بی ایل، لبرٹی مارکیٹ، لاہور

میاں محمد اویس
(نگران ختم نبوت ٹرسٹ)
69/c حسین سٹریٹ، وحدت روڈ
نیو مسلم ٹاؤن، لاہور
0300-4240910
042 -35912644

سید محمد کفیل بخاری
(ناظم ختم نبوت ٹرسٹ)
دار بنی ہاشم مہربان کالونی
ملتان
0300-6326621
061 - 4511961

نوٹ جماعت کے جملہ ماتحت دفاتر و مراکز میں بھی رقوم جمع کرائی جا سکتی ہیں

ختم نبوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
(شعبہ خدمتِ خلق، مجلس احرار اسلام پاکستان)

مدرسہ ختم نبوت، مسجد احرار،
چناب نگر (ضلع چنیوٹ)

0300 - 4240910
0301 - 3138803

CARE PHARMACY کئیر فارمیسی

Trusted Medicine Super Stores

سلیمی چوک
اعوان پلازہ
041-8540064

مدینہ ٹاؤن
سوساں روڈ
041-8543127

اقبال سٹیڈیم
بالمقابل سندباد
041-2605733

جناح کالونی
گلبرگ روڈ
041-2642833

فیصل آباد میں
پانچ برانچز
الحمدللہ

گلستان کالونی
نزد عزیز فاطمہ ہسپتال
041-2004509

اصلی اور معیاری ادویات کی مکمل ورائٹی کے ساتھ آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے کھلی ہیں

مستند کمپنیوں کی گارنٹیڈ ادویات کی مکمل رینج

سول یا الائیڈ ہسپتال جانے کی ضرورت نہیں فیصل آباد کا سب سے بڑا میڈیکل سٹور اب آپ کے علاقہ میں آپ کی خدمت کے لیے

24 گھنٹے کھلا ہے

ادویات کو قبل از وقت خراب ہونے سے بچانے کے لیے طبی معیار کے عین مطابق ائیر کنڈیشنڈ اور محفوظ صحت بخش ماحول

بجلی کے شدید بحران میں 24 گھنٹے جنریٹر کی سہولت کے ساتھ صرف کیئر فارمیسی پر ممکن ہے

Head Office: 1-Saint Mary's Park, Gulberg III, Lahore